ارشاداتِ اکابر

ایسے ارشادات جن کا ہر فقرہ حقائق و معانی کے عطر سے معطر، ہر جملہ اصلاحِ نفس و اخلاق معلومات و تجربات کے بیش بہا خزائن کا دفینہ ہے

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ
حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ
حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ

از افادات
جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان

نام کتاب...............................ارشاداتِ اکابر

تاریخ اشاعت........................ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

ناشر.... اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ چوک فوارہ ملتان

طباعت...........................سلامت اقبال پریس ملتان

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

عرض مرتب و ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں .... مختصرا اتنا کہنا کافی ہے کہ آپ اکابر کے حوالے سے ایسی مستند اور جہاں دیدہ شخصیت ہیں۔ علمائے دیوبند کا سلیقہ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا خاص ذوق لئے ہوئے ہیں۔

مولانا .... کے اصلاحی خطبات" جن کو قبولیت عامہ حاصل ہے اور جن میں اکابر کے حکمت و نصیحت سے بھرپور .... دلچسپ واقعات .... انتہائی سادہ انداز میں بیان کئے گئے ہیں کہ ایک ایک فقرہ دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے .... جب ان اصلاحی خطبات" کا میں نے مطالعہ کیا .... تو .... اتنا متاثر ہوا کہ ان میں سے اکابر کے خاص ارشادات کو علیحدہ شائع کرنے کی تمنا اور تڑپ دل میں پیدا ہوئی .... جب یہ تجویز .... مولانا کے سامنے رکھی .... تو .... انہوں نے بھی ازراہ شفقت اس امر کی اجازت مرحمت فرمادی .... اس کتاب کے سلسلے میں .... ان کے ارشاد فرمودہ کلمات بھی زیر نظر کتاب میں شامل کیے گئے ہیں .... اللہ تعالیٰ مولانا کی عمر میں خیر و برکت عطا فرمائے .... اور .... ان کا سایہ نعمت تاحیات ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ آمین

احقر

محمد اسحٰق عفی عنہ

جمادی الاول یکم ۱۴۱۹ھ

ارشادات اکابر کا تعارف

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کے قلم سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے خدمت دین یا اصلاح خلق کا کام لیتے ہیں تو اس کے قلب پر ایسی حکیمانہ باتیں وارد فرماتے ہیں جو دلوں پر اثر انداز ہونے کی خاص صلاحیت رکھتی ہیں' یہ حکیمانہ باتیں بعض اوقات مختصر جملوں' آسان ہدایات اور سادہ چٹکلوں کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن کبھی کبھی ان سے سننے یا پڑھنے والے کے دل میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اس کی سوچ کی سمت بدل جاتی ہے اور اس کے طرز زندگی کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے بکثرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کے دل میں جو اشکال عرصہ دراز سے کانٹے کی طرح چبھ رہا ہوتا ہے کسی ایسے ہی اللہ والے کے ایک مختصر کلمے سے یک بیک دور ہو جاتا ہے اور اسے اطمینان وانشراح کی دولت میسر آجاتی ہے

طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

اسی لئے ایسے بزرگوں کی صحبت کو صد سالہ طاعت بے ریا سے بھی بہتر قرار دیا گیا ہے اور اگر ان کی براہ راست صحبت میسر نہ ہو تو ان کے ایسے اقوال بھی بعض اوقات صحبت کا کام کر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کے اقوال اور ملفوظات کو محفوظ رکھنے کا اہتمام ہر دور میں کیا گیا ہے تاکہ وہ آنے والی نسلوں کو بھی ہدایت کی روشنی فراہم کرتے رہیں۔

الحمد للہ' احقر کو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے اپنے زمانے کے متعدد

اہل اللہ بزرگوں کا قرب میسر آیا۔ اپنی نااہلی کی وجہ سے میں ان کے فضائل و کمالات کا تو کوئی حصہ حاصل نہ کر سکا لیکن ان کی بہت سی باتیں ذہن و قلب میں محفوظ ہو گئیں اور اب یہی باتیں ہیں جو اپنے اپنے موقع پر یاد آکر بسا اوقات بہت سی مشکل گرہیں کھول دیتی ہیں۔

خاص طور سے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی حیات میں میرا دل چاہتا تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے بزرگوں کی جو باتیں بیان فرماتے رہتے ہیں اور خود ان کے منہ سے جو کلمات حکمت سننے میں آتے ہیں۔ انہیں باقاعدہ مرتب کر کے محفوظ کر دوں۔ مگر حضرت کی حیات میں اس کا موقع نہ ملا۔ ایک مرتبہ اپنے ایک رفیق کو اس خدمت پر لگایا لیکن ابھی وہ کام کی ابتدائی منزل میں تھے کہ حضرت والد صاحبؒ کی وفات ہو گئی۔

فصل گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

میں از خود اس خواہش کی تکمیل تو نہ کر سکا۔ لیکن اپنی متفرق تحریروں اور تقریروں میں حسب موقع ان بزرگوں کی باتیں اب بھی بیان کرتا رہتا ہوں۔

برادرم مکرم جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہم ناظم ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ داعیہ پیدا فرمایا کہ وہ میری تقریروں اور تحریروں میں بکھرے ہوئے اکابر کے ایسے ارشادات کو ایک مجموعے کی صورت میں مرتب فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے احقر کے "اصلاحی خطبات" اور دوسری کتابوں سے محنت کر کے جواہر حکمت اکٹھے کر لئے۔ اور اس طرح ہمارے بزرگوں کے ارشادات کا ایک نیا مجموعہ تیار فرما دیا ہے جو اصلاح نفس کے لئے نسخہ اکسیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو اس خدمت پر اجر عظیم عطا فرمائیں۔ اور اسے قارئین کے لئے نافع بنا کر مؤلف، مرتب اور ناشر سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنائیں، آمین۔

محمد تقی عثمانی

طیارہ پی آئی اے براہ کراچی از ملتان

اجمالی فہرست (ارشادات اکابر)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے ارشادات

صفحہ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ارشادات

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ کے ارشادات

دیوبند کے چند نامور اکابر کے ارشادات

باب اول

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

کے ارشادات

ایک بزرگ کی سفارش کا واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ.......... غالباً حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا واقعہ.......... نام صحیح طور پر یاد نہیں.......... ایک شخص ان بزرگ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ حضرت! میرا ایک کام رکا ہوا ہے اور فلاں صاحب کے اختیار میں ہے اگر آپ اس سے کچھ سفارش فرما دیں تو میرا کام بن جائے۔ تو حضرتؒ نے فرمایا جن صاحب کا تم نام لے رہے ہو وہ میرے سخت مخالف ہیں اور مجھے اندیشہ یہ ہے کہ اگر میری سفارش ان تک پہنچ گئی تو اگر وہ تمہارا کام کرتے ہوئے بھی ہوں گے تو بھی نہیں کریں گے.......... میں تمہاری سفارش کر دیتا لیکن میری سفارش سے فائدہ ہونے کے بجائے الٹا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ لیکن وہ شخص ان بزرگ کے پیچھے ہی پڑ گیا.......... کہنے لگا بس.......... آپ لکھ دیجئے.......... اس لئے کہ اگرچہ وہ آپ کا مخالف ہے لیکن آپ کی شخصیت ایسی ہے کہ امید ہے کہ وہ اس کو رد نہیں کریں گے.......... ان بزرگ نے مجبور ہو کر ان کے نام ایک پرچہ لکھ دیا.......... جب وہ شخص پرچہ لے کر وہاں پہنچا تو ان بزرگ کا جو خیال تھا وہ صحیح ثابت ہوا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ اس پرچہ کی کچھ قدر کرتا یا اس پر عمل کرتا.......... اس اللہ کے بندے نے ان بزرگ کو گالی دے دی.......... اب وہ شخص ان بزرگ کے پاس واپس آیا اور آکر کہا کہ حضرت! آپ کی بات سچی تھی۔ واقعتہً بجائے اس کے کہ وہ اس کی قدر و احترام کرتا.......... اس نے تو الٹی گالی دے دی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اب میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کام بنا دے۔

سفارش کے بارے میں حضرت حکیم الامتؒ کا فرمان

فرمایا کہ سفارش اس طرح نہ کراؤ جس سے دوسرا آدمی مغلوب ہو جائے.......... جس سے دباؤ پڑے.......... یہ سفارش جائز نہیں۔ اس لئے کہ سفارش کی حقیقت "توجہ دلانا" ہے کہ میرے نزدیک یہ شخص حاجت مند ہے اور میں آپ کو متوجہ کر رہا ہوں کہ یہ اچھا مصرف ہے اس پر اگر آپ کچھ خرچ کر دیں تو ان شاء اللہ اجر و ثواب ہو گا۔ یہ نہیں کہ اس کام کو ضرور کرو.......... اگر تم نہیں کرو گے تو میں ناراض ہو جاؤں گا.......... خفا ہو جاؤں گا.......... یہ سفارش نہیں ہے.......... یہ دباؤ ہے۔

مجمع میں چندہ کرنا درست نہیں

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے یہی بات چندہ کے بارے میں بیان فرمائی کہ اگر مجمع کے اندر چندہ کا اعلان کر دیا کہ فلاں کام کے لئے چندہ ہو رہا ہے.......... چندہ دیں۔ اب جناب جس شخص کا چندہ دینے کا دل بھی نہیں چاہ رہا ہے اب اس نے دوسروں کو دیکھ کر شرما شرمی میں چندہ دے دیا اور یہ سوچا کہ اگر نہیں دیا تو ناک کٹ جائے گی تو چونکہ وہ چندہ اس نے خوش دلی سے نہیں دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں" (مجمع الزوائد ص ۱۷۲، ج ۴ بحوالہ مسند ابو یعلی)

اگر کسی نے زبان سے مال لینے کی بھی اجازت دیدی ہو.......... لیکن وہ مال اس نے خوش دلی سے نہیں دیا تو وہ حلال نہیں۔ لہذا اس طریقے سے چندہ کرنا جائز نہیں۔

(اصلاحی خطبات جلد ۱)

ایک بزرگ کا سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ

علیہ نے ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی بیوی بہت لڑنے جھگڑنے والی تھی ہر وقت لڑتی رہتی تھی.......... جب گھر میں داخل ہوتے بس لعنت ملامت لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا۔ کسی صاحب نے ان بزرگ سے کہا کہ دن رات کی جھک جھک اور لڑائی آپ نے کیوں پالی ہوئی ہے.......... یہ قصہ ختم کر دیجئے اور طلاق دیدیجئے۔ تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ بھائی! طلاق دینا تو آسان ہے.......... جب چاہوں گا.......... دیدوں گا.......... بات دراصل یہ ہے کہ اس عورت میں اور تو بہت سی خرابیاں نظر آتی ہیں لیکن اس کے اندر ایک ایسا وصف ہے جس کی وجہ سے میں اس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا اور کبھی طلاق نہیں دوں گا اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر وفاداری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ اگر بالفرض میں گرفتار ہو جاؤں اور پچاس سال تک جیل میں بند رہوں تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کو جس کونے میں بٹھا کر جاؤں گا اسی کونے میں بیٹھی رہے گی اور کسی اور کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھے گی اور یہ وفاداری ایسا وصف ہے کہ اس کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی۔

ہمارے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ہندوستان.......... پاکستان کے معاشرے کی خواتین دنیا کی حوریں ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ ان کے اندر وفا داری کا وصف ہے جب سے مغربی تہذیب و تمدن کا وبال آیا ہے اس وقت سے رفتہ رفتہ یہ وصف بھی ختم ہوتا جارہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر وفا داری کا ایسا وصف رکھا ہے کہ چاہے کچھ ہو جائے لیکن یہ اپنے شوہر پر جان نثار کرنے کے لئے تیار ہے اور اس کی نگاہ شوہر کے علاوہ کسی اور پر نہیں جاتی بہر حال ان بزرگ نے حقیقت میں اسی حدیث پر عمل کر کے دکھایا کہ "اگر ایک بات ناپسند ہے اس عورت کی تو دوسری بات پسند بھی ہو گی" اس کی طرف دھیان کرو اور خیال کرو.......... اور اس کے

نیچے میں اس کے ساتھ حسن سلوک کرو......... ساری خرابی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ برائیوں کی طرف نگاہ ہوتی ہے......... اچھائیوں کی طرف نہیں ہوتی۔

ایک نادان لڑکی سے سبق لو

فرمایا کہ ایک نادان اور غیر تعلیم یافتہ لڑکی سے سبق لو کہ صرف دو بول پڑھ کر جب ایک شوہر سے تعلق قائم ہو گیا......... ایک نے کہا کہ میں نے نکاح کیا اور دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا۔ اس لڑکی نے ان دو بول کی ایسی لاج رکھی کہ ماں کو اس نے چھوڑا......... باپ کو اس نے چھوڑا......... بہن بھائیوں کو اس نے چھوڑا......... اپنے خاندان کو اس نے چھوڑا اور پورے کنبے کو چھوڑا اور شوہر کی ہو گئی اور اس کے پاس آکر مقید ہو گئی تو ان دو بول کی اس نادان لڑکی نے اتنی لاج رکھی اور اتنی وفاداری کی۔ تو حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک نادان لڑکی تو اس دو بول کا اتنا بھرم رکھتی ہے کہ سب کو چھوڑ کر ایک کی ہو گئی لیکن تم سے یہ نہیں ہو سکا کہ تم یہ دو بول "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اس اللہ کے ہو جاؤ جس کے لئے یہ دو بول پڑھے تھے تم سے تو وہ نادان لڑکی اچھی کہ یہ دو بول پڑھ کر اس کی اتنی لاج رکھتی ہے......... تم سے اتنی لاج بھی نہیں رکھی جا سکتی کہ اس اللہ کے ہو جاؤ۔

رہائش جائز، آسائش جائز

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے گھر کے بارے میں فرمایا کہ ایک گھر وہ ہوتا ہے جو قابل رہائش ہو مثلاً جھونپڑی ڈال دی......... یا چھپر ڈال دیا......... اس میں بھی آدمی رہائش اختیار کر سکتا ہے......... یہ تو پہلا درجہ ہے جو بالکل جائز ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ رہائش بھی ہو اور ساتھ میں آسائش بھی

ہو مثلاً پختہ مکان ہے جس میں انسان آرام کے ساتھ رہ سکتا ہے اور گھر میں آسائش کے لئے کوئی کام کیا جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے اور یہ بھی اسراف میں داخل نہیں مثلاً ایک شخص ہے وہ جھونپڑی میں بھی زندگی بسر کر سکتا ہے اور دوسرا شخص جھونپڑی میں نہیں رہ سکتا اس کو تو رہنے کے لئے پختہ مکان چاہئے اور پھر اس مکان میں بھی اس کو پنکھا اور بجلی چاہئے اب اگر وہ شخص اپنے گھر میں پنکھا اور بجلی اس لئے لگاتا ہے تاکہ اس کو آرام حاصل ہو تو یہ اسراف میں داخل نہیں۔

میاں بیوی میں دوستی کا تعلق ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردوں کو یہ آیت تو یاد رہتی ہے کہ "یعنی مرد عورتوں پر حکمران اور حاکم ہیں" اب بیٹھ کر عورتوں پر حکم چلا رہے ہیں۔ اور ذہن میں یہ بات ہے کہ عورت کو ہر حال میں تابع اور فرمانبردار ہونا چاہیے اور ہمارا ان کے ساتھ آقا اور نوکر جیسا رشتہ ہے۔ معاذ اللہ۔ لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت بھی نازل فرمائی ہے وہ آیت مردوں کو یاد نہیں رہتی.......... وہ آیت یہ ہے کہ (ترجمہ) اس نے تمہارے لئے تمہارے جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم دونوں میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی (سورہ الروم ۲۱) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیشک مرد عورت کے لئے قوام ہے لیکن ساتھ میں دوستی کا تعلق بھی ہے انتظامی طور پر تو قوام ہے لیکن باہمی تعلق دوستی جیسا ہے.......... لہذا ایسا تعلق نہیں ہے جیسا آقا اور کنیز کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو دوست کہیں سفر پر جارہے ہوں اور ایک دوست نے دوسرے دوست کو امیر بنا لیا ہو لہذا شوہر اس لحاظ سے تو امیر ہے کہ ساری زندگی کا فیصلہ کرنے کا وہ ذمہ دار ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جیسے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ

اس دوستی کے تعلق کے کچھ آداب اور کچھ تقاضے ہیں۔ ان آداب اور تقاضوں میں ناز کی باتیں بھی ہوتی ہیں جن کو حاکم ہونے کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔

ایسا رعب مطلوب نہیں

حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں بعض مرد حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حاکم ہیں.......... لہذا ہمارا اتنا رعب ہونا چاہیے کہ ہمارا نام سن کر بیوی کانپنے لگے اور بے تکلفی کے ساتھ بات نہ کر سکے۔ میرے ایک ہم سبق دوست تھے.......... انہوں نے ایک مرتبہ بڑے فخر کے ساتھ مجھ سے یہ بات کہی کہ جب میں کئی مہینوں کے بعد اپنے گھر جاتا ہوں تو میرے بیوی بچوں کو جرات نہیں ہوتی کہ وہ میرے پاس آجائیں اور مجھ سے بات کریں.......... وہ بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہہ رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ جب گھر جاتے ہیں تو کیا کوئی درندہ یا شیر چیتا بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے بیوی بچے آپ کے پاس نہیں آتے؟ انہوں نے کہا کہ یہ نہیں بلکہ اس لئے کہ ہم قوام ہیں.......... ہمارا رعب ہونا چاہئے۔ اچھی طرح سمجھ لیں کہ قوام ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی بچے پاس آنے اور بات کرنے سے بھی ڈریں بلکہ اس کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی ہے۔

بیوی کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے مواعظ میں ذکر فرمایا کہ عورت کے فرائض میں داخل ہے کہ اس کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو.......... شوہر کا پیسہ غلط جگہ پر بلاوجہ صرف نہ ہو اور فضول خرچی میں اس کا پیسہ ضائع نہ ہو۔ یہ چیز عورت کے فرائض میں داخل ہے یہ نہ ہو کہ شوہر کا پیسہ دل کھول کر خرچ کیا جا رہا ہے یا گھر کی نوکرانیوں پر چھوڑ دیا گیا ہے.......... وہ جس طرح چاہ رہی ہیں کر رہی ہیں۔ اگر کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو یہ قانون فرائض کے

خلاف کر رہی ہے۔

قیامت کے روز اعضا کس طرح بولیں گے؟

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کہیں سفر پر تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں نئی تعلیم کے دلدادہ ایک صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے کسی حدیث یا آیت پر یہ شبہ پیش کیا کہ حضرت! قرآن شریف میں آتا ہے کہ قیامت میں انسان کے اعضا بولیں گے.......... قرآن کریم میں ہے کہ یہ اعضاء گواہی دیں گے.......... ہاتھ گواہی دے گا کہ مجھ سے یہ گناہ کیا گیا تھا ٹانگ بول پڑے گی کہ میرے ذریعہ سے یہ گناہ کیا گیا تھا۔ ان صاحب نے کہا کہ حضرت! یہ عجیب بات ہے کہ ہاتھ بول پڑے گا.......... ٹانگ بول پڑے گی.......... یہ کیسے بول پڑے گی؟ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے.......... اللہ تعالیٰ جس کو چاہے.......... گویائی دے دیں.......... بولنے کی طاقت دے دیں.......... ان صاحب نے کہا کہ ایسا کبھی ہوا بھی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ تم دلیل پوچھ رہے تھے یا نظیر پوچھ رہے تھے؟ یہ ایک منطق کی اصطلاح ہے۔ دلیل تو اتنی بھی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جس کو چاہے گویائی عطا فرما دے اور ہر چیز کی نظیر ہونا ضروری نہیں ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی مثال بھی ہو وہ صاحب کہنے لگے ویسے اطمینان کے لئے کوئی نظیر بتا دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ یہ زبان کیسے بولتی ہے؟ چونکہ اس نے پوچھا تھا کہ ہاتھ بغیر زبان کے کیسے بولے گا؟ حضرت نے فرمایا کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے؟ یہ بھی تو گوشت کا ایک لوتھڑا ہی ہے.......... اس کے اندر گویائی کی قوت کہاں سے آگئی؟ بس اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرما دی.......... تو جو اللہ تعالیٰ گوشت کے اس لوتھڑے کو زبان عطا فرما سکتا ہے وہ ہاتھ کو بھی عطا فرما سکتا ہے اس لئے اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ بہر حال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کے درمیان جو یہ مکالمہ بیان فرمایا.......... اس کے

بالکل ٹھیک حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کو اللہ تعالیٰ بولنے کی طاقت دے دیں اور ان کے درمیان مکالمہ ہو تو یہ کوئی بعید بات نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایک تمثیل ہو۔

حکیم الامتؒ کی تواضع

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ''میں اپنے آپ کو ہر مسلمان سے فی الحال اور کافر سے فی المال والاحتمال کمتر سمجھتا ہوں۔ یعنی اپنے آپ کو ہر مسلمان سے اس وقت اور کسی کافر کو اس احتمال پر کہ شاید یہ کسی وقت مسلمان ہو جائے اور مجھ سے آگے بڑھ جائے......... اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہوں۔

حضرت تھانویؒ کا طریقہ علاج

حکیم الامت قدس اللہ سرہ کے یہاں سب سے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ ان بیماریوں میں مبتلا لوگ آتے اور آپؒ ان کا علاج فرماتے.......... ان کا علاج بھی کوئی دوا پلا کر نہیں ہوتا تھا.......... وظیفے پڑھوا کر نہیں ہوتا تھا بلکہ عمل سے ہوتا تھا.......... بہت سے لوگوں کا علاج اس طرح کیا گیا کہ ایک تکبر میں مبتلا شخص آیا بس اس کے لئے یہ علاج تجویز کیا کہ جو لوگ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آئیں تم ان کے جوتے سیدھے کیا کرو.......... بس اس کام پر لگا دیا نہ کوئی وظیفہ.......... نہ کوئی تسبیح.......... نہ کوئی ورد.......... اس کو دیکھ کر پہچان لیا کہ اس کے اندر تکبر کی بیماری ہے اور اس کا یہ علاج اس کے لئے مناسب ہو گا۔

حضرت تھانویؒ کا اپنے خادم سے برتاؤ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے بھائی نیاز.......... خانقاہ میں آنے جانے والے تمام حضرات انہیں ''بھائی

نیاز" کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے خاص منہ چڑھے خادم تھے اور چونکہ حضرتؒ کی خدمت کرتے تھے اور حضرت والاؒ کی محبت بھی حاصل تھی تو ایسے لوگوں میں کبھی ناز بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ تھے تو "نیاز" لیکن تھوڑا سا ناز بھی پیدا ہو گیا تھا اس لئے خانقاہ میں آنے جانے والوں سے کبھی جھگڑتے ہو جایا کرتے تھے ایک مرتبہ کسی صاحب نے حضرت والاؒ سے بھائی نیاز کی شکایت کی حضرت یہ لوگوں کے ساتھ لڑتے جھگڑتے ہیں اور مجھے انہوں نے برا بھلا کہا ہے ـــــ چونکہ حضرت والاؒ کو پہلے بھی ان کی کئی شکائتیں پہنچ چکی تھیں اس لئے حضرت والاؒ نے ان کو بلایا اور ڈانٹ کر فرمایا کہ میاں نیاز! یہ تم کیا ہر آدمی سے لڑتے جھگڑتے پھرتے ہو انہوں نے سن کر چھوٹتے ہی جواب میں کہا کہ حضرت! جھوٹ نہ بولو اللہ سے ڈرو۔ اب یہ الفاظ ایک نوکر اپنے آقا سے کہہ رہا ہے ـــــ آقا بھی کون ہے ـــــ حکیم الامت حضرت تھانوی ـــــ حقیقت میں ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حضرت! آپ جھوٹ نہ بولیں بلکہ اصل میں ان کا مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں نے آپ تک یہ شکایت پہنچائی ہے ـــــ انہوں نے جھوٹی شکایت پہنچائی ہے ان کو چاہئے کہ جھوٹ نہ بولیں ـــــ اللہ سے ڈریں ـــــ لیکن جذبات میں بے اختیار لفظ زبان سے یہ نکلا کہ حضرت! جھوٹ نہ بولو اللہ سے ڈرو۔ اب دیکھئے کہ اگر ایک آقا اپنے نوکر کو ڈانٹ رہا ہو اور نوکر یہ کہہ دے کہ جھوٹ نہ بولو تو اور زیادہ غصہ آئے گا اور زیادہ اشتعال پیدا ہو گا لیکن یہ حضرت حکیم الامتؒ تھے ـــــ ادھر انہوں نے کہا کہ جھوٹ نہ بولو اللہ سے ڈرو ـــــ ادھر حضرت والاؒ نے فوراً گردن جھکا لی اور فرمایا استغفر اللہ ـــــ استغفر اللہ ـــــ استغفر اللہ۔

اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما لیا ہے "وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" جو لوگ ہمارے راستے میں یہ مجاہدہ اور محنت کرتے ہیں کہ اول

کا.......... معاشرے کا.......... نفس کا.......... شیطان کا اور خواہشات کا تقاضا چھوڑ کر وہ ہمارے حکم پر چلنا چاہتے ہیں۔ تو ہم کیا کرتے ہیں۔

"لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ "ہم ان کے ہاتھ پکڑ کے لے چلیں گے" یہ نہیں کہ دور سے دکھا دیا کہ "یہ راستہ ہے" بلکہ فرمایا! کہ ہم اس کا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں گے.......... لیکن ذرا کوئی قدم تو بڑھائے.......... ذرا کوئی ارادہ تو کرے.......... ذرا کوئی ایک مرتبہ اپنے نفس کے مقابلے میں ڈٹے تو سہی" پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ لہذا "مجاہدہ" اسی کا نام ہے کہ ایک مرتبہ آدمی ٹوٹ کر ارادہ کر لے کہ یہ کام نہیں کروں گا.......... دل پر آرے چل جائیں گے.......... خواہشات پامال ہو جائیں گی.......... دل و دماغ پر قیامت گزر جائے گی.......... لیکن یہ گناہ کا کام نہیں کروں گا۔ جس دن نفس کے سامنے ڈٹ گیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن سے ہمارا محبوب ہو گیا.......... اب ہم خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستے پر لے چلیں گے۔

حاصل تصوف

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی.......... یاد رکھنے کے لائق ہے.......... فرمایا "وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا.......... یہ ہے کہ جب دل میں کسی اطاعت کے کرنے میں سستی پیدا ہو مثلاً نماز کا وقت ہو گیا لیکن نماز کو جانے میں سستی پیدا ہو رہی ہے "اس سستی کا مقابلہ کرے اس طاعت کو کرے اور جب گناہ سے بچنے میں دل سستی کرے تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے.......... اسی سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہوتی ہے اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے.......... اس کو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں" لہذا نفسانی خواہشات پر آرے چلا چلا کر اور

ہتھوڑے مار مار کر جب اس کو کچل دیا تو اب وہ نفس کچلنے کے نتیجے میں اللہ جل جلالہ کی تجلی گاہ بن گیا۔

نفس کو لذت سے دور رکھا جائے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ہمارے لئے یہ عمل کتنا آسان کر دیا.......... ورنہ پہلے زمانے میں تو صوفیاء کرام خدا جانے کیا کیا ریاضتیں کرایا کرتے تھے.......... صوفیاء کرام کے یہاں لنگر ہوا کرتے تھے اس لنگر کے اندر شوربا بنتا تھا.......... خانقاہ میں جو مریدین ہوا کرتے تھے ان کو یہ حکم ہوتا تھا کہ جس کے پاس ایک پیالہ شوربے کا آئے تو وہ اس شوربے میں ایک پیالہ پانی ملائے اور پھر کھائے تاکہ نفس کو لذت گیری کی قید سے آزاد کیا جائے۔ اس کے علاوہ ان سے فاقے بھی کرواتے تھے لیکن وہ زمانہ اور تھا اور آج کا زمانہ اور ہے.......... جیسے طب کے اندر زمانے کے بدلنے سے علاج کے طریقے بدل جاتے ہیں اس طرح حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے ہمارے زمانے کے لحاظ سے.......... ہمارے مزاجوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نسخے تجویز کئے.......... تقلیل طعام کا نسخہ ہمارے لئے تجویز کر گئے جس سے تقلیل طعام کا منشا حاصل ہو جائے گا۔

(اصلاحی خطبات جلد ۲)

یہ برتن امانت ہیں

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے بے شمار مواعظ میں اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ لوگ بکثرت ایسا کرتے ہیں کہ جب ان کے گھر کسی نے کھانا بھیج دیا.......... اس بے چارے کھانے والے سے یہ غلطی ہو گئی کہ اس نے آپ کے گھر کھانا بھیج دیا.......... اب صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ وہ کھانا تم دوسرے برتن میں نکال لو اور وہ برتن فوراً اس کو واپس کر دو.......... مگر ہوتا یہ ہے کہ وہ بیچارہ کھانا بھیجنے والا برتن سے بھی محروم ہو گیا۔

چنانچہ وہ برتن گھر میں پڑے ہوئے ہیں........ واپس پہنچانے کی فکر نہیں........ بلکہ بعض اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ ان برتنوں کو خود اپنے استعمال میں لانا شروع کر دیا........ یہ امانت میں خیانت ہے........ اس لئے کہ وہ برتن آپ کے پاس بطور عاریت کے آئے تھے........ آپ کو ان کا مالک نہیں بنایا گیا تھا........ لہذا ان برتنوں کو استعمال کرنا اور ان کو واپس پہنچانے کی فکر نہ کرنا امانت میں خیانت ہے۔

حضرت تھانویؒ کی احتیاط

آج کل بازاروں میں پھلوں کی جو خرید و فروخت ہوتی ہے آپ حضرات جانتے ہوں گے کہ آج کل یہ ہوتا ہے کہ ابھی درخت پر پھول بھی نہیں آتا کہ پوری فصل فروخت کر دی جاتی ہے اور اس طرح پھل کے آئے بغیر اس کو بیچنا شرعاً جائز نہیں........ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے کہ جب تک پھل ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک بیچنا جائز نہیں۔ اس شرعی حکم کی وجہ سے بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بازاروں میں جو پھل فروخت ہوتے ہیں........ ان کی خرید و فروخت چونکہ اسی طریقے پر ہوتی ہے اس لئے ان پھلوں کو خرید کر کھانا جائز نہیں لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان پھلوں کو کھانے کی گنجائش ہے........ البتہ خود ہمیشہ احتیاط کی اور ساری عمر بازار سے پھل لے کر نہیں کھایا اور دوسروں کو کھانے کی اجازت دیدی۔ یہ اللہ کے بندے ہیں جس چیز کی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں........ اس سے زیادہ خود اس پر عمل کرتے ہیں........ تب ان کی بات میں اثر پیدا ہوتا ہے۔

(اصلاحی خطبات جلد ۳)

بچوں کو مارنے کا طریقہ

مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ نے ایک عجیب نسخہ بتایا ہے فرماتے تھے کہ

جب کبھی اولاد کو مارنے کی ضرورت محسوس ہو یا اس پر غصہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو جس وقت غصہ آرہا ہو تو اس وقت نہ مارو.......... بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت مصنوعی غصہ پیدا کر کے مار لو.......... اس لئے کہ جس وقت طبعی غصہ کے وقت اگر مارو گے یا غصہ کرو گے تو پھر حد پر قائم نہیں رہو گے.......... بلکہ حد سے تجاوز کر جاؤ گے اور چونکہ ضرور تا مارنا ہے اس لئے مصنوعی غصہ پیدا کر کے پھر مار لو تاکہ اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے اور حد سے گزرنا بھی نہ پڑے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ساری عمر اس پر عمل کیا کہ طبعی غصے کے وقت نہ کسی کو مارا اور نہ ڈانٹا.......... پھر جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تو اسے بلا کر مصنوعی قسم کا غصہ پیدا کر کے وہ مقصد حاصل کر لیتا تاکہ حدود سے تجاوز نہ ہو جائے کیونکہ غصہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں انسان اکثر و بیشتر حد پر قائم نہیں رہتا۔

فاسق و فاجر کی غیبت جائز نہیں

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے.......... اسی مجلس میں کسی شخص نے حجاج بن یوسف کی برائیاں شروع کر دیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ٹوکا اور فرمایا کہ "دیکھو یہ جو تم ان کی برائیاں بیان کر رہے ہو.......... یہ غیبت ہے.......... اور یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف کی گردن پر سینکڑوں انسان کا خون ہے تو اب اس کی غیبت حلال ہو گئی.......... حالانکہ اس کی غیبت حلال نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ جہاں حجاج بن یوسف سے ان سینکڑوں انسانوں کے خون کا حساب لیں گے جو اس کی گردن پر ہیں تو وہاں اس غیبت کا بھی حساب لیں گے جو تم اس کے پیچھے کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔ لہٰذا یہ مت سمجھو کہ فلاں شخص فاسق و فاجر اور بدعتی ہے.......... اس کی جتنی چاہو غیبت کر لو.......... بلکہ اس کی غیبت

کرنے سے احتراز کرنا واجب ہے۔

غیبت سے بچنے کا علاج

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی غیبت کی تھی .... مجھے معاف کر دیجئے .... میں ان سے کہتا ہوں کہ میں تمہیں معاف کر دوں گا لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ پہلے یہ بتا دو کہ کیا غیبت کی تھی؟ تاکہ مجھے تو پتہ چلے کہ میرے پیچھے کیا کہا جاتا ہے۔

کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا؟

اگر بتا دو گے تو میں معاف کر دوں گا۔ پھر فرمایا کہ میں اس کی حکمت پوچھتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ جو بات میرے بارے میں کہی ہو وہ درست ہو اور واقعی میرے اندر وہ غلطی موجود ہو اور پوچھنے سے وہ غلطی سامنے آجائے گی تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بچنے کی توفیق دے دیں گے .... اس لئے میں پوچھ لیتا ہوں۔ لہذا اگر کبھی غیبت سرزد ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس سے کہہ دو کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے۔ اس وقت دل پر آرے تو بہت چلیں گے .... اپنی زبان سے یہ کہنا تو بڑا مشکل کام ہے .... لیکن علاج یہی ہے .... دو چار مرتبہ اگر یہ علاج کر لیا تو ان شاء اللہ آئندہ کے لئے سبق ہو جائے گا۔ بزرگوں نے اس سے بچنے کے دوسرے علاج بھی ذکر فرمائے ہیں مثلاً حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب دوسروں کا تذکرہ زبان پر آنے لگے تو اس وقت فوراً اپنے عیوب کا استحضار کرو .... کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو عیب سے خالی ہو .... اور یہ خیال لاؤ کہ خود میرے اندر تو فلاں برائی ہے .... میں دوسروں کی کیا برائی بیان کروں .... اور اس عذاب کا دھیان کرو جس کا بیان ابھی ہوا کہ ایک کلمہ اگر زبان سے نکال دوں گا .... لیکن اس کا انجام کتنا برا ہے .... اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ یا

اللہ! اس بلا سے نجات عطا فرما دیجئے۔ جب کبھی مجلس میں کوئی تذکرہ آنے لگے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لو.......... یا اللہ یہ تذکرہ مجلس میں آرہا ہے۔ مجھے بچا لیجئے.......... میں کہیں اس کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤں۔

حقوق کی تلافی کی صورت

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ اور میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے تو یہ کیا تھا کہ ایک خط لکھ کر سب کو بھجوا دیا اس خط میں یہ لکھا کہ زندگی میں معلوم نہیں آپ کے کتنے حقوق تلف ہوئے ہوں گے.......... کتنی غلطیاں ہوئی ہوں گی.......... میں اجمالی طور پر آپ سے معافی مانگتا ہوں کہ اللہ کے لئے مجھے معاف کر دیجئے.......... یہ خط اپنے تمام اہل تعلقات کو بھجوا دیا.......... امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ان حقوق کو معاف کرا دیں گے۔ لیکن بالفرض ایسے لوگوں کے حقوق تلف کیے ہیں جن سے اب رجوع کرنا ممکن نہیں.......... یا تو ان کا انتقال ہو چکا ہے.......... یا کسی ایسی جگہ چلے گئے ہیں کہ ان کا پتہ معلوم کرنا ممکن نہیں تو ایسی صورت کے لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کی غیبت کی گئی تھی یا جن کے حقوق تلف کیے تھے ان کے حق میں خوب دعا کرو کہ یا اللہ میں نے جو اس کی غیبت کی تھی اس کو اس کے حق میں باعث ترقی درجات بنا دیجئے اور اس کو دین و دنیا کی ترقیات عطا فرمائیے اور اس کے حق میں خوب استغفار کرو تو یہ بھی اس کی تلافی کی ایک شکل ہے اگر ہم بھی اپنے اہل تعلقات کو اس قسم کا خط لکھ کر بھیج دیں تو کیا اس سے ہماری ہیٹی ہو جائے گی؟ یا بے عزتی ہو جائے گی؟ کیا بعید ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہماری معافی کا سامان کر دیں۔

غیبت سے بچنے کا آسان راستہ

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ دوسرے کا ذکر کرو ہی نہیں.......... نہ اچھائی سے ذکر کرو اور نہ برائی سے ذکر کرو.......... کیونکہ یہ شیطان بڑا خبیث ہے.......... اس لئے کہ جب تم کسی کا ذکر اچھائی سے کرو گے کہ فلاں شخص بڑا اچھا آدمی ہے.......... اس کے اندر یہ اچھائی ہے تو دماغ میں یہ بات رہے گی کہ میں اس کی غیبت تو نہیں کر رہا.......... بلکہ اچھائی سے اس کا ذکر کر رہا ہوں لیکن پھر یہ ہو گا کہ اس کی اچھائیاں بیان کرتے کرتے شیطان کوئی جملہ درمیان میں ایسا ڈال دے گا جس سے وہ اچھائی برائی میں تبدیل ہو جائے گی مثلاً وہ کہے گا کہ فلاں شخص ہے تو بڑا اچھا آدمی.......... مگر اس کے اندر فلاں خرابی ہے یہ لفظ "مگر" آکر سارا کام خراب کر دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ گفتگو کا رخ غیبت کی طرف منتقل ہو جائے گا اس لئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ دوسروں کا ذکر کرو ہی نہیں.......... نہ اچھائی سے نہ برائی سے اور اگر کسی کا ذکر اچھائی سے کر رہے ہو تو ذرا کمر کس کے بیٹھو تاکہ شیطان غلط راستے پر نہ ڈال دے۔

حضرت تھانویؒ اور وقت کی قدر

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ مرض الموت میں جب بیمار اور صاحب فراش تھے اور معالجوں اور ڈاکٹروں نے ملنے جلنے سے منع کر رکھا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ زیادہ بات نہ کریں.......... ایک دن آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے.......... لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی اور فرمایا کہ بھائی مولوی محمد شفیع صاحب کو بلاؤ.......... چنانچہ بلایا گیا جب

تشریف لائے تو فرمایا کہ آپ "احکام القرآن" لکھ رہے ہیں ——— مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآن کریم کی جو فلاں آیت ہے اس سے فلاں مسئلہ نکلتا ہے اور یہ مسئلہ اس سے پہلے میں نے کہیں نہیں دیکھا میں نے آپ کو اس لئے بتا دیا کہ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلہ کو بھی لکھ لیجئے گا۔ یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ فلاں شخص کو بلاؤ جب وہ صاحب آگئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتا دیا۔ جب بار بار ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کی خانقاہ کے ناظم تھے اور حضرت تھانویؒ سے بھی بے تکلف تھے انہوں نے حضرت سے فرمایا کہ حضرت ڈاکٹروں اور حکیموں نے بات چیت سے منع کر رکھا ہے مگر آپ لوگوں کو بار بار بلا کر ان سے باتیں کرتے رہتے ہیں ——— خدا کے لئے آپ ہماری جان پر تو رحم کریں۔ ان کے جواب میں حضرت والاؒ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ "وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں ——— اگر کسی کی خدمت میں عمر گزر جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

حضرت تھانویؒ اور نظام الاوقات

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صبح سے لے کر شام تک پورا نظام الاوقات مقرر تھا ——— یہاں تک کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے تھے ——— آپ کی دو بیویاں تھیں ——— دونوں کے پاس عصر کے بعد عدل و انصاف کے ساتھ ان کی خیر و خبر لینے کے لئے اور ان سے بات چیت کے لئے جایا کرتے تھے اور یہ بھی درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ایک ایک کر کے تمام ازواج مطہرات کے پاس ان کی خبر گیری کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور یہ آپ کا

روزانہ کا معمول تھا۔ اب دیکھئے کہ دنیا کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں.......... جہاد بھی ہو رہے ہیں.......... تعلیم بھی ہو رہی ہے.......... تدریس بھی ہو رہی ہے.......... دین کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں اور ساتھ میں ازواج مطہرات کے پاس جاکر ان کی دلجوئی بھی ہو رہی ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ڈھالا ہوا تھا اور اسی اتباع میں آپ بھی عصر کے بعد اپنی دونوں بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ لیکن وقت مقرر تھا مثلاً پندرہ منٹ ایک بیوی کے پاس بیٹھیں گے۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ گھڑی دیکھ کر داخل ہوتے اور گھڑی دیکھ کر باہر نکل آتے.......... یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ پندرہ منٹ کے بجائے سولہ منٹ ہو جائیں یا چودہ منٹ ہو جائیں بلکہ انصاف کے تقاضے کے مطابق پورے پندرہ پندرہ منٹ تک دونوں کے پاس تشریف رکھتے.......... تول تول کر.......... ایک ایک منٹ کا حساب رکھ کر خرچ کیا جارہا ہے.......... دیکھئے اللہ تعالیٰ نے وقت کی جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کو اس طرح ضائع نہ کریں اللہ تعالیٰ نے یہ بڑی زبردست دولت عطا فرمائی ہے۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اور یہ دولت جارہی ہے۔ یہ پگھل رہی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
چپکے چپکے، رفتہ رفتہ، دم بہ دم

جس طرح برف ہر لمحے پگھلتی رہتی ہے اسی طرح انسان کی عمر ہر لمحے پگھل رہی ہے اور جارہی ہے۔

(اصلاحی خطبات جلد ۴)

یہ تواضع نہیں

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے مواعظ میں ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا میرے قریب کچھ لوگ بیٹھے

ہوئے تھے اور باتیں کرتے ہوئے جارہے تھے۔ میں سونا چاہتا تھا لیکن وہ اللہ کے بندے آپس میں گفتگو کررہے تھے جس کی وجہ سے نیند نہیں آرہی تھی۔ چنانچہ میں اپنی برتھ سے اتر کر نیچے آگیا......... جب کھانے کا وقت ہوا تو انہوں نے کھانا نکالا اور مجھ سے کہنے لگے کہ حضرت تشریف لائیے کچھ گُو موت آپ بھی کھا لیجئے......... اس کھانے کو انہوں نے گُو موت کے الفاظ سے تعبیر کیا......... میں نے کہا بھائی یہ کھانا ہے اس کو تم گُو موت کیوں کہہ رہے ہو؟ کہنے لگے تواضع کی وجہ سے کہہ رہے ہیں اگر ہم اپنے کھانے کو بڑی حیثیت دے دیں تو یہ تکبر ہو جائے گا میں نے کہا یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے......... اس کا رزق ہے اس کو ایسے گندے لفظوں سے تعبیر کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے کسی کو کوئی خوبی عطا فرمائی ہے تو یہ اس کی عطا ہے۔ اس کی عطاؤں کا انسان شکر کرے اس کی ناقدری نہ کرے۔

ایک مثال

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا کہ پہلے زمانے میں غلام ہوا کرتے تھے اور اپنے مالک کے مملوک ہوتے تھے......... مالک ان کو باقاعدہ بازار میں بیچ سکتا تھا آقا ان کی ہر چیز کا مالک ہوتا تھا......... مالک جو بھی حکم دے گا......... غلام کو کرنا ہو گا......... اگر وہ کہے کہ میں سفر میں جارہا ہوں......... میری غیر موجودگی میں تم حکمرانی کرو اب وہ حکمرانی کر رہا ہے......... گورنر بنا ہوا ہے......... لیکن ہے غلام کا غلام......... لہٰذا اس غلام کے دماغ میں یہ بات آہی نہیں سکتی کہ یہ جو اقتدار میرے پاس آیا ہے......... یہ میری قوت بازو یا میری صلاحیت کا نتیجہ ہے......... کچھ بھی نہیں۔ اس کو یہ خیال رہتا ہے کہ جب آقا آجائے گا تو کہہ دے گا کہ ہٹو......... اب بیت الخلاء صاف کرو......... تب وہ سارا تخت اور ساری حکمرانی دھری کی دھری رہ جائے گی......... معلوم ہوا کہ وہ غلام بیشک حاکم بن کر حکم چلا رہا ہے

لیکن ساتھ ساتھ اپنی حقیقت کا احساس بھی کر رہا ہے کہ یہ حکمرانی میرے مالک کی عطا ہے۔ حقیقت میں تو میں غلام ہی ہوں..........

کھانے کے وقت باتیں کرنا

کھانا کھانے کے دوران ضرورت کی بات کی جا سکتی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ کھانے کے وقت جو باتیں ہوں وہ ہلکی پھلکی ہوں.......... زیادہ سوچ و بچار اور زیادہ انہماک کی باتیں کھانے کے وقت نہیں کرنی چاہئیں.......... اس لئے کہ کھانے کا بھی حق ہے.......... وہ حق یہ ہے کہ کھانے کی طرف متوجہ ہو کر کھاؤ لہذا ایسی باتیں کرنا جس میں انسان منہمک ہو جائے اور کھانے کی طرف توجہ نہ رہے ایسی باتیں کرنا درست نہیں.......... خوش طبعی اور ہنسی مذاق کی ہلکی پھلکی باتیں کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ جو مشہور ہے کہ آدمی کھانے کے وقت بالکل خاموش رہے.......... کوئی بات نہ کرے.......... یہ درست نہیں۔

اعلیٰ درجے کی دعوت

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت کی تین قسمیں ہوتی ہیں ایک سب سے اعلیٰ.......... دوسری متوسط تیسرے ادنی۔ آج کل کے ماحول میں سب سے اعلیٰ دعوت یہ ہے کہ جس کی دعوت کرنی ہو اس کو جا کر نقد ہدیہ پیش کر دو اور نقد ہدیہ پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کو کوئی تکلیف تو اٹھانی نہیں پڑے گا اور پھر نقد ہدیہ میں اس کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے اس کو کھانے پر صرف کرے اور یا کسی اور ضرورت میں صرف کرے.......... اس سے اس شخص کو زیادہ راحت اور زیادہ فائدہ ہو گا اور تکلیف اس کو ذرہ برابر بھی نہیں ہو گی اس لئے یہ دعوت سب سے اعلیٰ ہے۔ دوسرے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ

جس شخص کی دعوت کرنا چاہتے ہو......... کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دو۔ یہ دوسرے نمبر پر اس لئے ہے کہ کھانے کا قصہ ہوا اور اس کو کھانے کے علاوہ کوئی اور اختیار نہیں رہا......... البتہ اس کھانے پر اس کو کوئی زحمت اور تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔ آپ نے گھر بلانے کی زحمت اس کو نہیں دی بلکہ گھر پر ہی کھانا پہنچا دیا۔ تیسرے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ اس کو اپنے گھر بلا کر کھانا کھلاؤ۔ آج کل کے شہری ماحول میں جہاں زندگیاں مصروف ہیں......... فاصلے زیادہ ہیں......... اس میں اگر آپ کسی شخص کو دعوت دیں اور وہ تیس میل کے فاصلے پر رہتا ہے تو آپ کی دعوت قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دو گھنٹے پہلے گھر سے نکلے......... پچاس روپے خرچ کرے اور پھر تمہارے یہاں آکر کھانا کھائے۔ تو یہ آپ نے اس کو راحت پہنچائی یا تکلیف میں ڈال دیا؟ اگر اس کے بجائے کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دیتے یا اس کو نقد رقم دے دیتے......... اس میں اس کے ساتھ زیادہ خیر خواہی ہوتی۔

دوسرے کا دل خوش کرنا

اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا کہ جس وقت میں یہ اچکن پہن کر عید گاہ کی طرف جا رہا تھا تو کچھ نہ پوچھو کہ اس وقت میرا دل کتنا کٹ رہا تھا......... اس لئے کہ ساری عمر اس قسم کا شوخ لباس کبھی نہیں پہنا.........
لیکن دل میں اس وقت یہ نیت تھی کہ جس اللہ کی بندی نے محنت کے ساتھ اس کو سیا ہے......... اس کا دل خوش ہو جائے۔ تو اس کا دل خوش کرنے کے لئے اپنے اوپر یہ مشقت برداشت کر لی......... اور اس کے پہننے پر طعنے بھی سہے......... اس لئے کہ لوگوں نے اس کے پہننے پر طعنے بھی دیئے کہ کیسا لباس پہن کر آگئے......... لیکن گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لئے یہ کام کر لیا۔
بہر حال......... انسان اچھے سے اچھا لباس اپنا دل خوش کرنے کے

لئے پہنے .... اپنے گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لئے پہنے۔ اور کسی ہدیہ تحفہ دینے والے کا دل خوش کرنے کے لئے پہنے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں .... لیکن اچھا لباس اس مقصد کے لئے پہنتا کہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں .... میں فیشن ایبل نظر آؤں .... میں دنیا والوں کے سامنے بڑا بن جاؤں .... اور نمائش اور دکھاوے کے لئے پہنے تو یہ عذاب کی چیز ہے اور حرام ہے اس سے بچنا چاہئے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

ایک بڑا عجیب و غریب واقعہ یاد آگیا .... یہ واقعہ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے .... بڑا سبق آموز واقعہ ہے .... وہ یہ کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دو اہلیہ تھیں .... ایک بڑی اور ایک چھوٹی .... دونوں کو حضرت والا سے بہت تعلق تھا لیکن بڑی پیرانی صاحبہ پرانے وقتوں کی تھیں .... اور حضرت والا کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی فکر میں رہتی تھیں .... عید آنے والی تھی .... حضرت پیرانی صاحبہ کے دل میں خیال آیا کہ حضرت والا کے لئے کسی عمدہ اور اچھے کپڑے کا اچکن بنایا جائے۔ اس زمانے میں ایک کپڑا چلا کرتا تھا جس کا نام تھا "آنکھ کا نشہ" یہ بڑا شوخ قسم کا کپڑا ہوتا تھا۔ اب حضرت والا سے پوچھے بغیر کپڑا خرید کر اس کا اچکن سینا شروع کر دیا .... اور حضرت والا کو اس خیال سے نہیں بتایا کہ اچکن سلنے کے بعد جب اچانک میں ان کو پیش کروں گی تو اچانک ملنے سے خوشی زیادہ ہو گی .... اور سارا رمضان اس کے سینے میں مشغول رہیں .... اس لئے کہ اس زمانے میں مشین کا رواج تو تھا نہیں .... ہاتھ سے سلائی ہوتی تھی .... چنانچہ جب وہ سل کر تیار ہو گیا تو عید کی رات کو وہ اچکن حضرت والا کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ میں نے آپ کے لئے یہ اچکن تیار کیا ہے .... میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ اس کو پہن

کر عید گاہ جائیں......... اور عید کی نماز پڑھیں......... اب کہاں حضرت والا کا مزاج......... اور کہاں وہ شوخ اچکن......... وہ تو حضرت والا کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ اگر میں پہننے سے انکار کروں تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے تو پورا رمضان اس کے سینے میں محنت کی اور محبت سے محنت کی اس لئے آپ نے ان کا دل رکھنے کے لئے فرمایا تم نے تو یہ ماشاء اللہ بڑا اچھا اچکن بنایا ہے......... اور پھر آپ نے وہ اچکن پہنا اور عید گاہ میں پہنچے۔ اور نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا......... اور کہا کہ حضرت آپ نے یہ جو اچکن پہنا ہے یہ آپ کو زیب نہیں دیتا......... اسلئے کہ یہ بہت شوخ قسم کا اچکن ہے......... حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ہاں بھائی تم بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو......... اور یہ کہہ کر پھر آپ نے وہ اچکن اتارا......... اور اسی شخص کو دے دیا کہ یہ تمہیں ہدیہ ہے......... اس کو تم پہن لو۔

ایک عبرت آموز واقعہ

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب بڑے دولت مند تھے......... ایک مرتبہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے......... کھانا بھی اچھا بنا ہوا تھا۔ اس لئے بہت شوق و ذوق سے کھانا کھانے کے لئے بیٹھے......... اتنے میں ایک سائل دروازے پر آگیا......... اب کھانے کے دوران سائل کا آنا ان کو ناگوار ہوا......... چنانچہ انہوں نے اس سائل کو ڈانٹ ڈپٹ کر ذلیل کر کے باہر نکال دیا......... اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے......... بعض اوقات انسان کا ایک عمل اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے......... چنانچہ کچھ عرصے کے بعد میاں بیوی میں ان بن شروع ہو گئی......... لڑائی جھگڑے رہنے لگے......... یہاں تک کہ طلاق کی نوبت آگئی......... اور اس نے طلاق دے دی۔ بیوی نے اپنے میکے میں آکر عدت

گزاری.......... اور عدت کے بعد کسی اور شخص سے اس کا نکاح ہو گیا.......... وہ بھی ایک دولت مند آدمی تھا.......... پھر ایک دن وہ اپنے اس دوسرے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آگیا' چنانچہ بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آچکا ہے مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں اللہ کا غضب نازل نہ ہو جائے اس لئے میں پہلے اس سائل کو کچھ دے دوں۔ شوہر نے کہا کہ دے آؤ۔ جب وہ دینے گئی تو اس نے دیکھا کہ وہ سائل جو دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ اس کا پہلا شوہر تھا چنانچہ وہ حیران رہ گئی.......... اور واپس آکر اپنے شوہر کو بتایا کہ آج میں نے عجیب منظر دیکھا کہ یہ سائل وہ میرا پہلا شوہر ہے.......... جو بہت دولت مند تھا۔ میں ایک دن اس کے ساتھ اس طرح بیٹھی کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آگیا.......... اور اس نے اس کو جھڑک کر بھگا دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اب اس کا یہ حال ہو گیا.......... اس شوہر نے کہا کہ میں تمہیں اس سے زیادہ عجیب بات بتاؤں کہ وہ سائل جو تمہارے شوہر کے پاس آیا تھا۔ وہ درحقیقت میں ہی تھا.......... اللہ تعالیٰ نے اس کی دولت اس دوسرے شوہر کو عطا فرما دی اور اس کا فقر اس کو دے دیا.......... اللہ تعالیٰ برے وقت سے محفوظ رکھے آمین۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس بات سے پناہ مانگی ہے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ بہر حال.......... کسی بھی سائل کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے حتی الامکان پرہیز کرو.......... البتہ بعض اوقات ایسا موقع آجاتا ہے کہ ڈانٹنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ تو فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن حتی الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ ڈانٹنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ بلکہ کچھ دے کر رخصت کر دو۔

اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنے کھانے کی مقدار کو ایسی پتھر کی لکیر مت بناؤ کہ جتنا کھانے کا معمول ہے۔ روزانہ اتنا ہی کھانا ضروری

ہے.......... بلکہ اگر کبھی کسی وقت کچھ کمی کا موقع آجائے تو اس کی بھی گنجائش رکھو.......... اسلئے آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے.......... اور دو کا کھانا چار کے لئے.......... اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے..........
اللہ تعالیٰ اپنے رحمت سے اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بزرگوں کی تواضع

جن بزرگوں کی باتیں سن اور پڑھ کر ہم لوگ دین سیکھتے ہیں.......... ان کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اتنا بے حقیقت سمجھتے ہیں جس کی حدوحساب نہیں.......... چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے بے شمار بزرگوں سے سنا.......... وہ فرماتے تھے کہ :

میری حالت یہ ہے کہ میں ہر مسلمان کو اپنے آپ سے فی الحال.......... اور ہر کافر کو احتمالاً اپنے آپ سے افضل سمجھتا ہوں "اور کافر کو اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کبھی ایمان کی توفیق دیدے.......... اور یہ مجھ سے آگے بڑھ جائے"..........

ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت تھانوی صاحبؒ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جتنے لوگ مجلس میں بیٹھے ہیں.......... سب مجھ سے افضل ہیں.......... اور میں ہی سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ ہوں.......... حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا کہ میری بھی یہی حالت ہوتی ہے.......... پھر دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم حضرت تھانویؒ کے سامنے اپنی یہ حالت ذکر کرتے ہیں.......... معلوم نہیں کہ یہ حالت اچھی ہے.......... یا بری ہے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے..........

اور اپنی حالت بیان کی کہ حضرت آپ کی مجلس میں ہم دونوں کی یہ حالت ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ کچھ فکر کی بات نہیں۔ اس لئے کہ تم دونوں اپنی یہ حالت بیان کر رہے ہو۔ حالانکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب میں بھی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو میری بھی یہی حالت ہوتی ہے.......... کہ اس مجلس میں سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ میں ہی ہوں۔ یہ سب مجھ سے افضل ہیں۔

یہ ہے تواضع کی حقیقت.......... ارے جب تواضع کی یہ حقیقت غالب ہوتی ہے تو پھر انسان تو انسان.......... آدمی اپنے آپ کو جانوروں سے بھی کمتر سمجھنے لگتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کا اعلان

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں یہ بات لکھی ہے کہ آپ نے یہ عام اعلان کر رکھا تھا کہ کوئی شخص میرے پیچھے نہ چلے.......... میرے ساتھ نہ چلے.......... جب میں تنہا کہیں جارہا ہوں تو مجھے تنہا جانے دیا کرو.......... حضرت فرماتے کہ یہ مقتدا کی شان بنانا کہ جب آدمی چلے تو دو آدمی اس کے دائیں طرف اور دو آدمی اس کے بائیں طرف چلیں.......... میں اس کو بالکل پسند نہیں کرتا.......... جس طرح ایک عام انسان چلتا ہے.......... اسی طرح چلنا چاہئے.......... ایک مرتبہ آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ اگر میں اپنے ہاتھ میں کوئی سامان اٹھا کر جارہا ہوں تو کوئی شخص آکر میرے ہاتھ سے سامان نہ لے۔ مجھے اسی طرح جانے دے.......... تاکہ آدمی کی اپنی کوئی امتیازی شان نہ ہو.......... اور جس طرح ایک عام آدمی رہتا ہے.......... اس طریقہ سے رہے۔

حضرت تھانوی اور تعبیر خواب

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سے لوگ خواب کی تعبیر

پوچھتے کہ میں نے یہ خواب دیکھا۔ میں نے یہ خواب دیکھا.......... حضرت تھانویؒ عام طور پر جواب میں یہ شعر پڑھتے کہ۔

نہ شم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
من غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

یعنی نہ تو میں رات ہوں اور نہ رات کو پوجنے والا ہوں کہ خواب کی باتیں کروں.......... اللہ تعالیٰ نے تو مجھے آفتاب سے نسبت عطا فرمائی ہے۔ یعنی آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے.......... اس لئے میں تو اسی کی بات کہتا ہوں.......... بہر حال خواب کتنے ہی اچھے آجائیں.......... اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو.......... وہ مبشرات ہیں.......... ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت اس کی برکت عطا فرما دے.......... لیکن محض خواب کی وجہ سے بزرگی اور فضیلت کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

حاصل تصوف "دو باتیں"

اور ایسے موقع پر ہمارے حضرت والا حضرت تھانوی رحمۃاللہ علیہ کا ایک ملفوظ سنایا کرتے تھے۔ حقیقت میں یہ ملفوظ یاد رکھنے.......... بلکہ دل پر نقش کرنے کے قابل ہے.......... حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ۔

"وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا.......... یہ ہے کہ جس وقت کسی طاعت کی ادائیگی میں سستی ہو.......... تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے.......... اور جس وقت کسی گناہ کا داعیہ (تقاضا) پیدا ہو.......... تو اس داعیے (تقاضے) کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے.......... جب یہ بات حاصل ہو جائے تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے مضبوط ہوتا ہے.......... اور اسی سے ترقی کرتا ہے"

بہر حال.......... سستی دور کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے..........
یعنی اس سستی کا ہمت سے مقابلہ کرنا.......... لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ کوئی نسخہ

گھول کر پلا دے گا تو ساری سستی دور ہو جائے گی......... اور سب کام ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے......... یاد رکھو کہ سستی کا مقابلہ ہمت سے ہی ہو گا......... اس کا اور کوئی علاج نہیں۔

وہ لمحات زندگی کس کام کے؟

تیسرے یہ کہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی......... یہ بات بھی میں نے حضرت والا ہی سے سنی! فرمایا کہ جب حضرت والا مرض الوفات میں بیمار اور صاحب فراش تھے۔ اور ڈاکٹروں نے آپ کو ملاقات اور بات چیت سے منع کر رکھا تھا۔ ایک دن آپ بستر پر آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔ لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی۔ اور فرمایا کہ مولوی محمد شفیع صاحب کہاں ہیں۔ ان کو بلاؤ......... "مولوی محمد شفیع صاحب" سے مراد میرے والد ماجد ہیں......... حضرت والا نے میرے والد صاحب کو "احکام القرآن" عربی زبان میں تالیف کرنے پر لگا رکھا تھا......... چنانچہ جب والد صاحب تشریف لائے تو ان سے فرمایا کہ آپ احکام القرآن لکھ رہے ہیں۔ مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے فلاں مسئلہ نکلتا ہے......... یہ مسئلہ میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلہ کو بھی لکھ لیجئے گا......... یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔ اب دیکھئے کہ مرض الوفات میں لیٹے ہیں۔ مگر دل و دماغ میں قرآن کریم کی آیات اور ان کی تفسیر گھوم رہی ہے تھوڑی دیر کے بعد پھر آنکھ کھولی......... اور فرمایا کہ فلاں صاحب کو بلاؤ......... جب وہ صاحب آگئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتا دیا۔ جب بار بار آپ نے ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب......... جو حضرت کی خانقاہ کے ناظم تھے......... اور حضرت والا سے بے تکلف بھی تھے۔ فرمایا کہ حضرت! ڈاکٹروں اور حکیموں نے تو بات چیت سے منع کر رکھا ہے۔ مگر آپ بار بار لوگوں کو بلا کر ان سے بات کرتے ہیں......... خدا کے لئے آپ ہماری جان پر تو رحم کریں۔

ان کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ۔

"بات تو تم ٹھیک کہتے ہو.......... لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں۔ اگر کسی خدمت کے اندر یہ عمر گزر جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے"

وہ بات تمہاری ہو گئی، وقت پر یاد آجائے گی

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں.......... بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان باتوں کو یاد کر لیں۔ مگر یہ باتیں یاد نہیں ہوتیں۔ اس پر اپنا واقعہ سنایا کہ میں بھی حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی مجلس میں جب حاضر ہوتا تو یہ دل چاہتا کہ حضرت والا کی باتیں لکھ لیا کروں.......... بعض لوگ لکھ لیا کرتے تھے۔ مجھ سے تیز لکھا نہیں جاتا تھا اس لئے میں لکھنے سے رہ جاتا تھا.......... میں نے ایک دن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت! میرا دل چاہتا ہے کہ ملفوظات لکھ لیا کروں۔ مگر لکھا جاتا نہیں.......... اور یاد رہتے نہیں ہیں۔ بھول جاتا ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے.......... خود صاحب ملفوظ کیوں نہیں بن جاتے؟ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں تو تھرا گیا کہ میں کہاں صاحب ملفوظ بن سکتا ہوں۔ پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جو بات حق ہو.......... اور فہم سلیم پر مبنی ہو۔ صحیح فکر پر مبنی ہو۔ جب ایسی بات تمہارے کان میں پڑ گئی.......... اور تمہارے دل نے اسے قبول کر لیا.......... وہ بات تمہاری ہو گئی.......... اب چاہے وہ بات بعینہ انہی لفظوں میں یاد رہے یا نہ رہے.......... جب وقت آئے گا.......... ان شاء اللہ اس وقت یاد آجائے گی.......... اور اس پر عمل کی توفیق ہو جائے گی..........

بزرگوں کی خدمت میں جانے اور ان کی باتیں سننے کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ وہ کان میں باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ باتیں انسان کی

طبیعت میں داخل ہو جاتی ہیں .... اور پھر وقت پر یاد آجاتی ہیں ....

راستے میں چلتے وقت نگاہ نیچی رکھو

حضرت والا قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا تو جاتے جاتے وہ دعا مانگ گیا کہ یا اللہ .... مجھے قیامت تک کی مہلت دے دیجئے .... اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی۔ اب اس نے اکڑفوں دکھائی .... چنانچہ اس وقت اس نے کہا کہ۔

لَاٰتِیَنَّهُمْ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ (سورہ الاعراف ۱۷)

یعنی میں ان بندوں کے پاس ان کے دائیں طرف سے .... بائیں طرف سے .... آگے سے اور پیچھے سے جاؤں گا .... اور چاروں طرف سے ان پر حملے کروں گا .... حضرت والا فرماتے ہیں کہ شیطان نے چار سمتیں تو بیان کر دیں .... تو معلوم ہوا کہ شیطان انہی چار سمتوں سے حملہ آور ہوتا ہے کبھی آگے سے ہو گا .... کبھی پیچھے سے ہو گا .... کبھی دائیں سے ہو گا .... کبھی بائیں سے ہو گا .... لیکن دو سمتیں وہ چھوڑ گیا .... ان کو نہیں بیان کیا۔ ایک اوپر کی سمت .... اور ایک نیچے کی سمت۔ اس لئے اوپر کی سمت بھی محفوظ .... اور نیچے کی سمت محفوظ ہے .... اب اگر نگاہ اوپر کر کے چلو گے تو ٹھوکر کھا کر گر جاؤ گے .... اس لئے اب ایک ہی راستہ رہ گیا کہ نیچے کی طرف نگاہ کر کے چلو گے تو ان شاء اللہ شیطان کے چار طرفی حملے سے محفوظ رہو گے .... اس لئے بلاوجہ دائیں بائیں نہ دیکھو .... بس اللہ اللہ کرتے ہوئے نیچے دیکھتے ہوئے چلو۔ پھر دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تمہاری حفاظت کرتے ہیں .... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (النور ۳۰)

یعنی مومنین سے کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچی کرلیں .... تو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نگاہ نیچی کرنے کا حکم فرمادیا......... اور پھر آگے اس کا نتیجہ بیان فرمادیا کہ اس کی وجہ سے شرم گاہوں کی حفاظت ہوجائے گی......... اور پاک دامنی حاصل ہوجائے گی۔

(اصلاحی خطبات جلد ۵)

شیطان بڑا عارف تھا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "ابلیس" اللہ تعالیٰ کی بہت معرفت رکھتا تھا......... بہت بڑا عارف تھا .... کیونکہ ایک طرف تو اسے دھتکارا جارہا ہے .... راندہ درگاہ کیا جارہا ہے......... جنت سے نکالا جارہا ہے......... اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب نازل ہورہا ہے لیکن عین غضب کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ لی اور مہلت مانگ لی......... اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ غضب سے مغلوب نہیں ہوتے اور غضب کی حالت میں بھی اگر ان سے کوئی چیز مانگی جائے تو وہ دے دیتے ہیں چنانچہ اس نے مہلت مانگ لی۔

نوکر کو کھانا کیسا دیا جائے

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک نوکر رکھا اور اس سے یہ طے کیا کہ تمہیں ماہانہ اتنی تنخواہ دی جائے گی اور روزانہ دو وقت کا کھانا دیا جائے گا لیکن جب کھانے کا وقت آیا تو خود تو خوب پلاؤ زردے اڑائے......... اعلیٰ درجے کا کھانا کھایا اور بچا کچا کھانا جس کو ایک معقول اور شریف آدمی پسند نہ کرے وہ نوکر کے حوالے کردیا تو یہ بھی "تطفیف" ہے اس لئے کہ جب تم نے اس کے ساتھ دو وقت کا کھانا طے کرلیا تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ تم اس کو اتنی مقدار میں ایسا کھانا دو گے جو ایک معقول آدمی پیٹ بھر کر کھا سکے لہذا اب اس کو بچا کچا کھانا دینا اس کی حق تلفی اور اس کے ساتھ ناانصافی ہے۔

حضرت تھانویؒ کی قوت کلام

حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے قوت کلام میں ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی بھی مسئلہ پر بحث و مباحثہ کے لئے آجاتا تو آپ چند منٹ میں اس کو لاجواب کر دیتے بلکہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحئی صاحب قدس اللہ سرہ نے واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ آپ بیمار تھے اور بستر پر لیٹے ہوئے تھے اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ "الحمد اللہ" اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسے پر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقل مند لوگ جمع ہو کر آجائیں اور اسلام کے کسی بھی معمولی سے مسئلے پر کوئی اعتراض کریں تو ان شاء اللہ یہ ناکارہ دو منٹ میں ان کو لاجواب کر سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ "میں تو ایک ادنیٰ طالب علم ہوں.......... علماء کی تو بڑی شان ہے" چنانچہ واقعہ یہ تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی آدمی کسی مسئلہ پر بات چیت کرتا تو چند منٹ سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا۔

مناظرہ سے عموماً فائدہ نہیں ہوتا

خود حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب میں دار العلوم دیوبند سے درس نظامی کر کے فارغ ہوا تو اس وقت مجھے باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ کبھی شیعوں سے مناظرہ ہو رہا ہے کبھی غیر مقلدین سے تو کبھی بریلویوں سے .... کبھی ہندوؤں سے اور کبھی سکھوں سے مناظرہ ہو رہا ہے چونکہ نیا نیا فارغ ہوا تھا.......... اس لئے شوق اور جوش میں یہ مناظرے کرتا رہا لیکن بعد میں میں نے مناظرے سے توبہ کر لی۔ اس لئے کہ تجربہ یہ ہوا

اس سے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اپنی باطنی کیفیات پر اس کا اثر پڑتا ہے.......... اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

یہ تو دشمنی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ ہے.......... جو آپ نے رنگون (برما) کی سورتی مسجد میں کیا تھا.......... اس وعظ میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ سے فارغ ہوئے تو مصافحہ کرنے کے لئے مجمع کا اتنا زور پڑا کہ حضرت والا گرتے گرتے بچے.......... یہ حقیقی محبت نہیں ہے.......... یہ محض صورت محبت ہے.......... اس لئے کہ محبت کو بھی عقل چاہئے کہ جس سے محبت کی جارہی ہے اس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا جائے اور اس کو دکھ اور تکلیف سے بچایا جائے۔ یہ حقیقی محبت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا عجیب واقعہ

حضرت تھانویؒ نے ایک مشہور واقعہ پیش کیا کہ ایک شخص نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا تھا.......... اس کے بعد اس کو توبہ کی فکر لاحق ہوئی.......... اب سوچا کہ میں کیا کروں.......... چنانچہ وہ عیسائی راہب کے پاس گیا.......... اور اس کو جاکر بتایا کہ میں نے اس طرح ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ تو کیا میرے لئے توبہ کا اور نجات کا کوئی راستہ ہے؟ اس راہب نے جواب دیا کہ تو تباہ ہو گیا۔ اور اب تیری تباہی اور ہلاکت میں کوئی شک نہیں.......... تیرے لئے نجات کا اور توبہ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر وہ شخص مایوس ہو گیا.......... اس نے سوچا کہ ننانوے قتل کر دیئے ہیں۔ ایک اور سہی۔ چنانچہ اس راہب کو بھی قتل کر دیا۔ اور سو کا عدد پورا کر دیا۔ لیکن دل میں چونکہ توبہ کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اس لئے دوبارہ کسی اللہ والے کی تلاش میں نکل گیا۔ تلاش کرتے کرتے ایک اللہ والا اس کو مل گیا۔ اور اس نے جاکر اپنا سارا قصہ بتایا

اس نے کہا کہ اس میں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں.......... اب تم پہلے توبہ کرو۔ اور پھر اس بستی کو چھوڑ کر فلاں بستی میں چلے جاؤ.......... اور وہ نیک لوگوں کی بستی ہے۔ ان کی صحبت اختیار کرو۔ چونکہ وہ توبہ کرنے میں مخلص تھا۔ اس لئے وہ اس بستی کی طرف چل پڑا۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس کی موت کا وقت آگیا۔ روایات میں آتا ہے کہ جب وہ مرنے لگا تو مرتے مرتے بھی اپنے آپ کو سینے کے بل گھسیٹ کر اس بستی کے قریب کرنے لگا جس بستی کی طرف وہ جارہا تھا تاکہ میں اس بستی سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو جاؤں۔ آخر کار جان نکل گئی۔ اب اس کی روح لے جانے کے لئے ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب دونوں پہنچ گئے۔ اور دونوں میں اختلاف شروع ہو گیا۔ ملائکہ رحمت کہنے لگے کہ چونکہ یہ شخص توبہ کرکے نیک لوگوں کی بستی کی طرف جارہا تھا اس لئے اس کی روح ہم لے جائیں گے۔ ملائکہ عذاب کہنے لگے کہ اس نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے اور ابھی اس کی معافی نہیں ہوئی۔ لہذا اس کی روح ہم لے جائیں گے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ دیکھا جائے کہ یہ شخص کونسی بستی سے زیادہ قریب ہے.......... جس بستی سے چلا تھا اس سے زیادہ قریب ہے یا جس بستی کی طرف جارہا تھا اس سے تھوڑا قریب ہے.......... چنانچہ ملائکہ رحمت اس کی روح لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوشش کی برکت سے اس کو معاف فرما دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب التوبہ۔ باب توبۃ القاتل، حدیث نمبر ۲۷۶۶)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس کے ذمے حقوق العباد تھے.......... لیکن چونکہ اپنی طرف سے کوشش شروع کر دی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی.......... اسی طرح جب کسی انسان کے ذمے حقوق العباد ہوں اور وہ ان کی ادائیگی کی کوشش شروع کر دے۔ اور اس فکر میں لگ جائے اور پھر درمیان میں موت آجائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

امید ہے کہ وہ اصحاب حقوق کو قیامت کے دن راضی فرمادیں گے..........

بہر حال.......... یہ دو قسم کی توبہ کر لیں ایک توبہ اجمالی.......... اور ایک توبہ تفصیلی.......... اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے.......... آمین۔

عقیدت کی انتہا کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کسی علاقے میں چلے گئے.......... وہاں کے لوگوں کو ان بزرگ سے اتنی عقیدت ہوئی کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان بزرگ کو اب باہر نہیں جانے دیں گے.......... ان کو یہیں رکھیں گے.......... تاکہ ان کی برکت حاصل ہو۔ اور اس کی صورت یہ سمجھ میں آئی کہ ان بزرگ کو قتل کر کے یہاں دفن کر دیا جائے تاکہ ان کی یہ برکت اس علاقے سے باہر نہ نکل جائے۔

جوش محبت میں بے عقلی کا جو انداز ہے۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں محبت وہ چیز ہے جس سے محبوب کو راحت اور آرام ملے.......... اسی طرح مصافحہ کے وقت یہ دیکھ کر مصافحہ کرنا چاہئے کہ اس وقت مصافحہ کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اگر دونوں ہاتھ مشغول ہوں تو ایسی صورت میں راحت اور آرام کی نیت سے مصافحہ نہ کرنے میں زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ آپ حضرت کو سناتا ہوں.......... جو بڑا زرین اصول ہے.......... اگر انسان اس اصول پر عمل کر لے تو امید ہے کہ پچھتر فیصد جھگڑے تو وہیں ختم ہو

جائیں.......... چنانچہ فرمایا کہ :

"ایک کام یہ کرلو کہ دنیا والوں سے امید باندھنا چھوڑ دو.......... جب امید چھوڑ دو گے تو ان شاء اللہ پھر دل میں کبھی بغض اور جھگڑے کا خیال نہیں آئے گا"

دوسرے لوگوں سے جو شکایتیں پیدا ہوجاتی ہیں.......... مثلاً یہ کہ فلاں شخص کو ایسا کرنا چاہئے تھا.......... اس نے نہیں کیا.......... جیسی میری عزت کرنی چاہئے تھی.......... اس نے ایسی عزت نہیں کی.......... جیسی میری خاطر مدارات کرنی چاہئے تھی.......... اس نے ویسی نہیں کی.......... یا فلاں شخص کے ساتھ میں نے فلاں احسان کیا تھا.......... اس نے اس کا بدلہ نہیں دیا.......... وغیرہ وغیرہ.......... یہ شکایتیں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ دوسروں سے توقعات وابستہ کر رکھی ہیں.......... اور جب وہ توقع پوری نہیں ہوئی تو اس کے نتیجے میں دل میں گرہ پڑ گئی کہ اس نے میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا.......... اور دل میں شکایت پیدا ہوگئی.......... ایسے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں کسی سے کوئی شکایت پیدا ہوجائے تو اس سے جاکر کہہ دو کہ مجھے تم سے یہ شکایت ہے.......... تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی.......... مجھے بری لگی.......... پسند نہیں آئی.......... یہ کہہ کر اپنا دل صاف کرلو.......... لیکن آج کل بات کہہ کر دل صاف کرنے کا دستور ختم ہوگیا.......... بلکہ اب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو اور اس شکایت کو دل میں لے کر بیٹھ جاتا ہے.......... اس کے بعد کسی اور موقع پر کوئی اور بات پیش آگئی.......... ایک گرہ اور پڑ گئی.......... چنانچہ آہستہ آہستہ دل میں گرہیں پڑتی چلی جاتی ہیں.......... وہ پھر بغض کی شکل اختیار کرلیتی ہیں.......... اور بغض کے نتیجے میں آپس میں دشمنی پیدا ہوجاتی ہے۔

توقعات مت رکھو

اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جھگڑے کی جڑ اس طرح کاٹو کہ کسی سے کوئی توقع ہی مت رکھو.......... کیا مخلوق سے توقعات وابستہ کئے بیٹھے ہو کہ فلاں یہ دیدے گا.......... فلاں یہ کام کر دے گا.......... توقع تو صرف اس سے وابستہ کرو جو خالق اور مالک ہے بلکہ دنیا والوں سے تو برائی کی توقع رکھو کہ ان سے تو ہمیشہ برائی ہی ملے گی.......... اور پھر برائی کی توقع رکھنے کے بعد اگر کبھی اچھائی مل جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یااللہ.......... آپ کا شکر اور احسان ہے۔ اور برائی ملے تو پھر خیال کر لو کہ مجھے تو پہلے ہی برائی کی توقع تھی.......... تو اب اس کے نتیجے میں دل میں شکایت اور بغض پیدا نہیں ہوگا۔ اور پھر دشمنی بھی پیدا نہیں ہوگی.......... نہ جھگڑا ہوگا.......... لہٰذا کسی سے توقع ہی مت رکھو۔

بدلہ لینے کی نیت مت کرو

اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور اصول یہ بیان فرمایا کہ جب تم کسی دوسرے کے ساتھ کوئی نیکی کرو.......... یا اچھا سلوک کرو.......... تو صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرو.......... مثلاً کسی کی مدد کرو.......... یا کسی شخص کی سفارش کرو.......... یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو یا کسی کی عزت کرو.......... تو یہ سوچ کر کرو کہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ برتاؤ کر رہا ہوں.......... اپنی آخرت سنوارنے کے لئے یہ کام کر رہا ہوں.......... جب اس نیت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے تو اس صورت میں اس برتاؤ پر بدلہ کا انتظار نہیں کرو گے۔ اب اگر فرض کریں کہ آپ نے ایک شخص کے ساتھ اچھا سلوک کیا.......... مگر اس شخص نے تمہارے اچھے سلوک کا بدلہ

اچھائی کے ساتھ نہیں دیا.......... اور اس نے تمہارے احسان کرنے کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا.......... تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوگا کہ میں نے تو اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا.......... اور اس نے میرے ساتھ الٹا سلوک کیا.......... لیکن اگر آپ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا.......... تو اس صورت میں اس کی طرف سے برے سلوک پر کبھی شکایت پیدا نہیں ہوگی.......... اس لئے کہ آپ کا مقصد تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا تھی۔ اگر ان دو اصولوں پر ہم سب عمل کر لیں تو پھر آپس کے تمام جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے.......... جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی.......... جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے تو میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔

حضرت حکیم الامتؒ کی غایت تواضع

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ :

"میں ہر مسلمان کو فی الحال اپنے سے افضل سمجھتا ہوں.......... اور ہر کافر کو احتمالاً اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ یعنی جو مسلمان ہے اس کے دل میں نہ معلوم کتنے اعلیٰ درجے کا ایمان ہو۔ اور وہ مسلمان مجھ سے آگے بڑھا ہوا ہو.......... اس لئے میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ اور ہر کافر کو احتمالاً اس لئے افضل سمجھتا ہوں کہ اس وقت بظاہر تو وہ کافر ہے.......... لیکن کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق دیدے۔ اور وہ مجھ سے ایمان کے اندر آگے بڑھ جائے"

جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں تو ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں۔ (اصلاحی خطبات جلد ۲)

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

میرے شیخ حضرت مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ "اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے.......... آمین" فرمایا کرتے تھے کہ :

"دل میں جو نیک کام کرنے کا خیال آتا ہے کہ فلاں نیک کام کر لو.......... اس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں "وارد" کہتے ہیں.......... فرماتے تھے کہ یہ "وارد" اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے.......... اگر تم نے اس مہمان کی خاطر کی.......... اس طرح کہ جس نیکی کا خیال آیا تھا.......... وہ نیک کام کرلیا۔ تو یہ مہمان اپنی قدر دانی کی وجہ سے دوبارہ بھی آئے گا۔ آج ایک نیک کام کی طرف توجہ دلائی.......... کل کو دوسرے کام کی طرف توجہ دلائے گا۔ اور اس طرح تمہاری نیکیوں کو بڑھاتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر تم نے اس مہمان کی خاطر مدارات نہ کی۔ بلکہ اس کو دھتکار دیا.......... یعنی جس نیک کام کرنے کا خیال تمہارے دل میں آیا تھا.......... اس کو نہ کیا.......... تو پھر رفتہ رفتہ یہ مہمان آنا چھوڑ دے گا.......... اور پھر نیکی کرنے کا ارادہ ہی دل میں پیدا نہیں ہوگا۔ نیکی کے خیالات آنا بند ہوجائیں گے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

یعنی بد اعمالیوں کے سبب ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا.......... اور نیکی کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس لئے یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں جو ہیں.......... ان کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اس لئے کہ یہ بڑی نیکیوں تک پہنچادیتی ہیں۔

حاصل تصوف

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ "وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا.......... یہ ہے کہ جب دل میں کسی اطاعت کے کرنے میں

سستی پیدا ہو......... مثلاً نماز کا وقت ہو گیا لیکن نماز کو جانے میں سستی ہو رہی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے اور جب گناہ سے بچنے میں دل سستی کرے تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے" پھر فرمایا کہ "بس اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے......... اسی سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہوتی ہے اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے اس کو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی"

حضرت تھانویؒ کا ایک سنت پر عمل

ایک مرتبہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ تھانہ بھون سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں میں دعوت میں تشریف لے جا رہے تھے اور اہلیہ محترمہ ساتھ تھیں......... جنگل کا پیدل سفر تھا......... کوئی اور شخص بھی ساتھ نہیں تھا۔ جب جنگل کے درمیان پہنچے تو خیال آیا کہ الحمد اللہ حضور اقدس کی بہت سی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق ہو گئی ہے لیکن اہلیہ کے ساتھ دوڑ لگانے کی سنت پر ابھی تک عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ آج موقع ہے کہ اس سنت پر بھی عمل ہو جائے۔ چنانچہ اس وقت آپ نے دوڑ لگا کر اس سنت پر بھی عمل کر لیا۔ اب ظاہر ہے کہ دوڑ لگانے کا کوئی شوق نہیں تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کے لئے دوڑ لگائی یہ ہے اتباع سنت کی حرص۔ نیک کاموں کی حرص۔ اجر و ثواب حاصل کرنے کی حرص۔

ایک مثال

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ کا محبوب ہے اس سے آپ کو انتہا درجہ کی محبت ہے اور اس محبوب کے دور ہونے کی وجہ سے بہت عرصہ سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اچانک وہ محبوب آپ کے پاس آتا ہے اور چپکے سے آکر آپ کو پیچھے سے پکڑ کر زور سے

دبا لیتا ہے اور اتنی زور سے دباتا ہے کہ پسلیاں ٹوٹنے کے قریب ہونے لگتی ہیں اور آپ کو تکلیف ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں آپ چیختے ہیں اور اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں تمہارا فلاں محبوب ہوں۔ اگر تمہیں میرا یہ دبانا پسند نہیں ہے تو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں اور تمہارے رقیب کو دبا لیتا ہوں اگر تم عاشق صادق ہو تو یہی جواب دو گے میرے رقیب کو مت دبانا بلکہ مجھے ہی دباؤ اور زور سے دباؤ اور یہ شعر پڑھو گے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکت تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں یہ ادراک عطا فرما دے کہ یہ تکلیفیں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عنوان ہیں لیکن ہم چونکہ کمزور ہیں۔ اس لئے ہم ان تکالیف کو مانگتے نہیں لیکن جب وہ تکلیف آگئی تو ان کی حکمت اور فیصلے سے آئی ہے......... اس لئے وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

سزا مناسب اور معتدل ہو

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی سزا مقرر کرو جس میں نفس پر تھوڑی مشقت بھی ہو......... نہ بہت زیادہ ہو کہ نفس بدک جائے اور نہ اتنی کم ہو کہ نفس کو اس سے مشقت ہی نہ ہو......... جیسے ہندوستان میں جب سر سید مرحوم نے علی گڑھ کالج قائم کیا......... اس وقت طلبہ پر یہ لازم کر دیا تھا کہ تمام طلبہ پنج وقت نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کریں گے اور جو طالب علم نماز سے غیر حاضر ہوگا اس کو جرمانے ادا کرنا پڑے گا اور ایک نماز کا جرمانہ شاید ایک آنہ مقرر کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو طلبہ صاحب ثروت تھے......... وہ پورے مہینے کی تمام نمازوں کا جرمانہ اکٹھا پہلے ہی جمع کرا دیا کرتے تھے کہ یہ جرمانہ ہم سے وصول کر لو اور نماز کی چھٹی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں کہ اتنا کم اور معمولی جرمانہ بھی نہ ہو کہ آدمی اکٹھا جمع کرادے اور نہ اتنا زیادہ ہو کہ آدمی بھاگ جائے بلکہ درمیانہ اور معتدل جرمانہ مقرر کرنا چاہئے مثلاً آٹھ رکعت نفل پڑھنے کی سزا مقرر کرنا ایک مناسب سزا ہے۔

علت کے بارے میں سوال کا بہترین جواب

ایک صاحب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے پاس آئے اور کسی شرعی مسئلے کے بارے میں پوچھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کو کیوں حرام کر دیا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بات کا آپ جواب دیدیں تو میں اس کا جواب آپ کو دے دوں گا.......... انہوں نے کہا کہ وہ کیا بات ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ آپ کی ناک سامنے کیوں لگی ہے.......... پیچھے کیوں نہیں لگی؟ مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت سے اس کارخانہ عالم کا نظام چلا رہے ہیں.......... تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا یہ چھوٹا سا دماغ جو تمہارے سر میں ہے.......... اس کی ساری حکمتوں اور مصلحتوں کا احاطہ کر لے.......... حالانکہ آج کے دور میں سائنس اتنی ترقی کے باوجود اس چھوٹے سے دماغ کی بھی پوری تحقیق نہیں کر سکی اور یہ کہتی ہے کہ اس دماغ کا اکثر حصہ ایسا ہے جس کے بارے میں اب تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا عمل کیا ہے؟ ایسے دماغ کے ذریعہ تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ساری حکمتوں کا احاطہ کر لو کہ فلاں چیز کو کیوں حرام کیا؟ اور فلاں چیز کو کیوں حلال کیا؟ بات یہ کہ اپنی حقیقت سے ناواقفیت اور دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کی کمی کے نتیجے میں اس قسم کے سوال ذہن میں آتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصہ

لکھا ہے کہ آپ روزانہ تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہوا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کی آنکھ لگ گئی اور تہجد قضا ہو گئی۔ سارا دن روتے روتے گزار دیا اور توبہ و استغفار کی کہ یا اللہ! آج میری تہجد کا ناغہ ہو گیا۔ اگلی رات جب سوئے تو تہجد کے وقت ایک شخص آیا اور آپ کو تہجد کے لئے بیدار کیا.......... آپ نے بیدار ہو کر دیکھا کہ یہ بیدار کرنے والا شخص کوئی اجنبی معلوم ہوتا ہے آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو ابلیس ہے تو تہجد کی نماز کے لئے اٹھانے سے تجھے کیا غرض؟ وہ شیطان کہنے لگا: بس آپ اٹھ جائیے.......... اور تہجد پڑھ لیجئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم تو تہجد سے روکنے والے ہو.......... تم اٹھانے والے کیسے بن گئے؟ شیطان نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ گذشتہ رات میں نے آپ کو تہجد کے وقت سلا دیا اور آپ کی تہجد کا ناغہ کرادیا.......... لیکن سارا دن آپ تہجد چھوٹنے پر روتے رہے.......... اور استغفار کرتے رہے.......... جس کے نتیجے میں آپ کا درجہ اتنا بلند ہو گیا کہ تہجد پڑھنے سے بھی اتنا بلند نہ ہوتا۔ اس سے اچھا تو یہ تھا کہ آپ تہجد ہی پڑھ لیتے۔ اس لئے آج میں خود آپ کو تہجد کے لئے اٹھانے آیا ہوں تاکہ آپ کا درجہ مزید بلند نہ ہو جائے۔

موت اور آخرت کا تصور کرنے کا طریقہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ دن میں کوئی وقت تنہائی کا نکالو.......... پھر اس وقت میں ذرا سا اس بات کا تصور کیا کرو کہ میرا آخری وقت آگیا ہے.......... فرشتہ روح قبض کرنے کے لئے پہنچ گیا.......... اس نے میری روح قبض کرلی.......... میرے عزیز و اقارب نے میرے غسل اور کفن دفن کا انتظام شروع کر دیا بالآخر مجھے غسل دے کر کفن پہنا کر اٹھا کر قبرستان لے گئے نماز جنازہ پڑھ کر مجھے ایک قبر

میں رکھا.......... پھر اس قبر کو بند کر دیا.......... اور اوپر سے منوں مٹی ڈال کر وہاں سے رخصت ہوگئے۔ اب میں اندھیری قبر میں تنہا ہوں.......... اتنے میں سوال و جواب کے لئے فرشتے آگئے.......... وہ مجھ سے سوال و جواب کر رہے ہیں۔

اس کے بعد آخرت کا تصور کرو کہ مجھے دوبارہ قبر سے اٹھایا گیا.......... اب میدان حشر قائم ہے.......... تمام انسان میدان حشر کے اندر جمع ہیں.......... وہاں شدید گرمی لگ رہی ہے.......... پسینہ بہہ رہا ہے.......... سورج بالکل قریب ہے۔ ہر شخص پریشانی کے عالم میں ہے.......... اور لوگ جا کر انبیاء علیہم السلام سے سفارش کرا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ حساب و کتاب شروع ہو۔ پھر اسی طرح حساب و کتاب.......... پل صراط اور جنت اور جہنم کا تصور کرے۔ روزانہ فجر کی نماز کے بعد تلاوت.......... مناجات مقبول اور اپنے ذکر و اذکار سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑا سا تصور کر لیا کرو کہ یہ وقت آنے والا ہے.......... اور کچھ پتہ نہیں کب آجائے۔ کیا پتہ آج ہی آجائے۔ یہ تصور کرنے کے بعد دعا کرو کہ یا اللہ! میں دنیا کے کاروبار اور کام کاج کے لئے نکل رہا ہوں.......... کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسا کام کر گزروں جو میری آخرت کے اعتبار سے میرے لئے ہلاکت کا باعث ہو۔ روزانہ یہ تصور کر لیا کرو.......... جب ایک مرتبہ موت کا دھیان اور تصور دل میں بیٹھ جائے گا تو ان شاء اللہ اپنی اصلاح کرنے کی طرف توجہ اور فکر ہو جائے گی۔

ایک نواب کا واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے مواعظ میں لکھا ہے لکھنؤ میں ایک نواب تھے۔ ان کی بڑی زمینیں.......... جائیدادیں.......... نوکر چاکر وغیرہ سب کچھ تھا۔ ایک مرتبہ میری ان سے ملاقات ہوئی تو ان نواب صاحب نے خود مجھے بتایا کہ "میں اپنے بارے میں آپ

کو کیا بتاؤں کہ میرے پاس یہ ساری دولتیں ہیں۔ جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن مجھے ایک ایسی بیماری لاحق ہوگئی ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی چیز نہیں کھاسکتا۔ اور میرے معالج نے میرے لئے صرف ایک غذا تجویز کی ہے۔ وہ یہ کہ گوشت کا قیمہ بناؤ......... اور اس قیمہ کو ایک کپڑے میں باندھ کر اس کا رس نکالو اور چمچے کے ذریعے پیو......... اب دیکھئے دستر خوان پر دنیا بھر کے انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے ہیں......... ہزار قسم کی نعمتیں حاصل ہیں لیکن صاحب بہادر نہیں کھاسکتے اس لئے کہ بیمار ہیں۔ ڈاکٹر نے منع کر دیا ہے۔ بتاؤ......... وہ دولت کس کام کی جس کو انسان اپنی مرضی سے استعمال نہ کرسکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت میں برکت نہیں ڈالی......... اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ نعمت بیکار ہوگئی......... ایک دوسرا آدمی ہے جو محنت مزدوری کرتا ہے......... ساگ روٹی کھاتا ہے......... اور وہ کھانا اس کے جسم کو جاکر لگتا ہے۔ اب بتایئے یہ مزدور بہتر ہے یا وہ نواب بہتر ہے؟ حالانکہ گنتی اس کی زیادہ ہے......... اور اس مزدور کی گنتی کم ہے۔ لیکن راحت اس مزدور کو نصیب ہے۔ اس نواب کو میسر نہیں۔ اس کا نام ہے برکت۔

ایک عجیب و غریب قصہ

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شہر میں دو آدمی بستر مرگ پر تھے۔ مرنے کے قریب تھے۔ ایک مسلمان تھا اور ایک یہودی تھا۔ اس یہودی کے دل میں مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی اور مچھلی قریب میں کہیں ملتی نہیں تھی۔ اور اس مسلمان کے دل میں روغن زیتون کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو بلایا۔ ایک فرشتے سے فرمایا کہ فلاں شہر میں ایک یہودی مرنے کے قریب ہے اور اس کا دل مچھلی کھانے کو چاہ رہا ہے۔ تم ایسا کرو کہ ایک مچھلی لے کر اس کے گھر کے تالاب میں ڈال دو تاکہ وہ مچھلی کھاکر اپنی خواہش پوری کرلے۔ دوسرے فرشتے

سے فرمایا کہ فلاں شہر میں ایک مسلمان مرنے کے قریب ہے اور اس کا روغن زیتون کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ اور روغن زیتون اس کی الماری کے اندر موجود ہے۔ تو جاؤ اور اس کا روغن نکال کر ضائع کر دو تاکہ وہ اپنی خواہش پوری نہ کر سکے۔ چنانچہ دونوں فرشتے اپنے اپنے مشن پر چلے.......... راستے میں ان دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ تم کس کام پر جارہے ہو؟ ایک فرشتے نے بتایا کہ میں فلاں یہودی کو مچھلی کھلانے جارہا ہوں۔ دوسرے فرشتے نے کہا کہ میں فلاں مسلمان کا روغن زیتون ضائع کرنے جارہا ہوں۔ دونوں کو تعجب ہوا کہ ہم دونوں کو دو متضاد کاموں کا حکم کیوں دیا گیا؟ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اس لئے دونوں نے جاکر اپنا اپنا کام پورا کر لیا۔ جب واپس آئے تو دونوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل تو کر لی لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک مسلمان جو آپ کے حکم کو ماننے والا تھا اور اس کے پاس روغن زیتون موجود تھا۔ اس کے باوجود آپ نے اس کا روغن زیتون ضائع کرا دیا۔ اور دوسری طرف ایک یہودی تھا اور اس کے پاس مچھلی موجود نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے اس کو مچھلی کھلادی؟ اس لئے ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ کیا قصہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ تم کو ہمارے کاموں کی حکمتوں کا پتہ نہیں ہے.......... بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا معاملہ کافروں کے ساتھ اور ہے اور مسلمانوں کے ساتھ کچھ اور ہے۔ کافروں کے ساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ چونکہ کافر بھی دنیا میں نیک اعمال کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً کبھی صدقہ خیرات کر دیا۔ کبھی کسی فقیر کی مدد کر دی۔ اس کے یہ نیک اعمال اگرچہ آخرت میں ہمارے ہاں مقبول نہیں ہیں.......... لیکن ہم ان کے نیک اعمال کا حساب دنیا میں چکا دیتے ہیں تاکہ جب یہ آخرت میں ہمارے پاس آئیں تو ان کے نیک اعمال کا حساب چکا ہوا ہو اور ہمارے ذمے ان کی کسی نیکی کا بدلہ باقی نہ ہو۔ اور مسلمانوں کے ساتھ ہمارا معاملہ جدا ہے۔ وہ یہ کہ ہم

یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے گناہوں کا حساب دنیا کے اندر چکادیں تاکہ جب یہ ہمارے پاس آئیں تو گناہوں سے پاک و صاف ہو کر آئیں۔

لہذا اس یہودی نے جتنے نیک اعمال کیے تھے ان سب کا بدلہ ہم نے دے دیا تھا...... صرف ایک نیکی کا بدلہ دینا باقی تھا۔ اور اب یہ ہمارے پاس آرہا تھا۔ جب اس کے دل میں مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو ہم نے اس کی اس خواہش کو پورا کرتے ہوئے اس کو مچھلی کھلا دی تاکہ جب یہ ہمارے پاس آئے تو اس کی نیکیوں کا حساب چکا ہوا ہو۔ اور اس مسلمان کی بیماری کے دوران باقی سارے گناہ تو معاف ہو چکے تھے البتہ ایک گناہ اس کے سر پر باقی تھا۔ اور اب یہ ہمارے پاس آنے والا تھا۔ اگر اسی حالت میں ہمارے پاس آجاتا تو اس کا یہ گناہ اس کے نامہ اعمال میں ہوتا۔ اس لئے ہم نے یہ چاہا کہ اس کا روغن زیتون ضائع کر کے اور اس کی خواہش کو توڑ کر اس کے دل پر ایک چوٹ اور لگائیں اور اس کے ذریعہ اس کے گناہ کو بھی صاف کر دیں۔ تاکہ جب یہ ہمارے پاس آئے تو بالکل پاک و صاف ہو کر آئے۔ بہر حال......... اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا کون ادراک کر سکتا ہے۔ کیا ہماری یہ چھوٹی سی عقل ان حکمتوں کا احاطہ کر سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے تحت کائنات کا یہ نظام چل رہا ہے۔ ان کی حکمتیں اس کائنات میں متصرف ہیں۔

نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس دور میں اللہ تعالیٰ نے عمل اور تقویٰ کا نمونہ بنایا تھا۔ ان کے ایک خلیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے ذکر کیا کہ جب آپ بیان فرماتے ہیں اور میں آپ کی مجلس میں ہوتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مجمع میں مجھ سے زیادہ تباہ حال شخص کوئی اور نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ گناہ گار میں ہوں۔ اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں...... میں اپنے آپ کو جانور محسوس کرتا

ہوں۔ جواب میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی تم یہ جو اپنی حالت بیان کر رہے ہو سچ پوچھو تو میری بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ جب میں وعظ اور بیان کر رہا ہوتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ سب لوگ مجھ سے اچھے ہیں۔ میں سب سے زیادہ خراب ہوں۔

ایسا کیوں تھا؟ اس لئے کہ ہر وقت ان کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ میرے اندر کون سا عیب ہے؟ کون سا گناہ ہے؟ میں اس کو کس طرح دور کروں؟ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیسے حاصل کروں؟ اگر انسان اپنے عیوب کا جائزہ لینا شروع کرے تو پھر دوسروں کے عیب نظر نہیں آتے اس وقت اپنی فکر میں انسان لگ جاتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم نے کہا تھا کہ:

تھے جو اپنی برائی سے بے خبر
رہے اوروں کے ڈھونڈتے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

یعنی جب تک دوسروں کو دیکھتے رہے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ فلاں کے اندر یہ برائی ہے اور فلاں کے اندر یہ برائی ہے۔ لیکن جب اپنی برائیوں پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ کوئی بھی اتنا برا نہیں ہے جتنا برا میں خود ہوں۔ اس لئے کہ جب اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی توفیق ہوئی تو ساری گندگیاں اور برائیاں سامنے آگئیں۔

یاد رکھئے! کوئی انسان دوسرے کی برائی سے اتنا واقف نہیں ہو سکتا جتنا انسان اپنی برائی سے واقف ہوتا ہے۔ انسان اپنے بارے میں جانتا ہے کہ میں کیا سوچتا ہوں۔ اور میرے دل میں کیا خیالات پیدا ہوتے ہیں؟ کیسے کیسے ارادے میرے دل میں آتے ہیں؟ لیکن چونکہ اپنی طرف نظر نہیں......... اپنے عیب سے بے خبر ہے۔ اس لئے دوسروں کے عیوب اس کو نظر آتے ہیں۔ اس کو اپنی

پرواہ نہیں ہوتی۔

حضرت تھانویؒ کا دوسروں کا افضل سمجھنا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سنا اور حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ سے بھی سنا ہے.......... وہ یہ کہ میں ہر مسلمان کو اپنے سے حالاً اور ہر کافر کو اپنے آپ سے احتمالاً افضل سمجھتا ہوں" احتمالاً کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ اس وقت کفر کے اندر مبتلا ہے.......... لیکن کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے اور وہ کفر کی مصیبت سے نکل جائے.......... اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے درجات اتنے بلند کر دے کہ وہ مجھ سے بھی آگے بڑھ جائے۔ اور جو شخص مسلمان ہے.......... صاحب ایمان ہے.......... اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے.......... کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختلف معاملات ہوتے ہیں.......... کسی کے بارے میں ہم کیا رائے ظاہر کریں کہ وہ ایسا ہے.......... اس لئے میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس میں جھوٹ اور غلط بیانی کا احتمال تو نہیں ہے کہ ویسے ہی مروتاً یہ کہہ دیا کہ "میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں" یقیناً ایسا سمجھتے ہوں گے تبھی تو فرمایا۔ بہر حال.......... کسی کو بھی حقیر سمجھنا.......... چاہے وہ گناہ اور معصیت کی وجہ سے ہو.......... جائز نہیں۔

ایک کے عیب دوسروں کو مت بتاؤ

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب تم کسی دوسرے کے اندر کوئی عیب دیکھو تو صرف اسی کو بتاؤ کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے.......... دوسروں سے

کہتے مت پھرو کہ فلاں کے اندر یہ عیب ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے.......... اور آئینہ صرف اس شخص کو چہرے کے داغ دھبے بتاتا ہے جو شخص اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے.......... وہ آئینہ دوسروں کو نہیں بتاتا کہ فلاں شخص کے چہرے پر داغ دھبے لگے ہوئے ہیں۔ لہذا ایک مومن کا کام یہ ہے کہ جس کے اندر کوئی برائی یا عیب دیکھے تو صرف اسی سے کہے...... دوسروں سے اس کا تذکرہ نہ کرے کہ فلاں کے اندر یہ عیب اور یہ برائی ہے...... کیونکہ اگر دوسروں کو اس کے عیوب کے بارے میں بتاؤ گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کام میں تمہاری نفسانیت شامل ہے...... پھر وہ دین کا کام نہیں ہو گا۔ اور اگر صرف اسی سے تنہائی میں محبت اور شفقت سے اس کو اس کے عیب پر تنبیہ کرو گے تو یہ اخوت اور ایمان کا تقاضا ہے...... لیکن اس کو حقیر اور ذلیل سمجھنا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ایک نصیحت آموز قصہ

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے اپنے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ اس شخص نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ حضرت! میرے لئے یہ دعا فرما دیں کہ مجھے زندگی میں کوئی غم اور تکلیف نہ آئے اور ساری زندگی بے غم گزر جائے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دعا تو میں نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس دنیا میں غم اور تکلیف تو آئے گی۔ البتہ ایک کام کر سکتا ہوں وہ یہ کہ تم دنیا میں ایسا آدمی تلاش کرو جو تمہیں سب سے زیادہ بے غم یا کم غم والا نظر آئے۔ پھر مجھے اس شخص کا پتہ بتا دینا.......... میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس جیسا بنا دے۔ یہ شخص بہت خوش ہوا کہ چلو ایسا آدمی تو مل جائے گا جو بہت زیادہ آرام اور راحت میں ہو گا اور میں اس جیسا بننے کی دعا کرا لوں گا۔ اب تلاش

کرنے کے لئے نکلا.......... کبھی ایک آدمی کے بارے میں فیصلہ کرتا کہ اس جیسا بننے کی دعا کراؤں گا۔ پھر دوسرا آدمی اس سے زیادہ دولت مند نظر آتا تو پھر یہ فیصلہ بدل دیتا کہ نہیں.......... اس جیسا بننے کی دعا کراؤں گا۔ غرض کافی عرصہ تک تلاش کرنے کے بعد اس کو ایک جوہری اور زرگر نظر آیا جو سونا چاندی.......... جواہرات اور قیمتی پتھر کی تجارت کرتا تھا بہت بڑی اور آراستہ اس کی دکان تھی.......... اس کا محل بڑا عالی شان تھا۔ بڑی قیمتی اور اعلیٰ قسم کی سواری تھی۔ نوکر چاکر خدمت میں لگے ہوئے تھے.......... اس کے بیٹے بڑے خوبصورت اور نوجوان تھے۔ ظاہری حالات دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا کہ یہ شخص بڑے عیش و آرام میں ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس جیسا بننے کی دعا کراؤں گا۔ جب واپس جانے لگا تو خیال آیا کہ اس شخص کی ظاہری حالت تو بہت اچھی ہے. کہیں ایسا نہ ہو کہ اندر سے کسی بیماری یا پریشانی میں مبتلا ہو۔ جس کی وجہ سے میری موجودہ حالت بھی ختم ہو جائے۔ اس لئے اس جوہری سے جا کر پوچھنا چاہئے کہ وہ کس حالت میں ہے۔ چنانچہ یہ شخص اس جوہری کے پاس گیا اور اس سے جا کر کہا کہ تم بڑے عیش و آرام میں زندگی گزار رہے ہو۔ دولت کی ریل پیل ہے.......... نوکر چاکر لگے ہوئے ہیں۔ تو میں تم جیسا بننا چاہتا ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے اندرونی طور پر تمہیں کوئی پریشانی لاحق ہو اور کسی بیماری یا مصیبت کے اندر مبتلا ہو؟

وہ جوہری اس شخص کو تنہائی میں لے گیا اور اس سے کہا کہ تمہارا خیال یہ ہے کہ میں بڑے عیش و آرام میں ہوں بڑا دولت مند ہوں۔ بڑے نوکر چاکر خدمت گزاری میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن اس دنیا میں مجھ سے زیادہ غم اور تکلیف میں کوئی شخص نہیں ہو گا.......... پھر اس نے اپنی بیوی کی اخلاقی حالت کا بڑا عبرت ناک قصہ سناتے ہوئے کہا کہ یہ خوبصورت اور جوان بیٹے جو تمہیں نظر آرہے ہیں یہ حقیقت میں میرے بیٹے نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے میرا کوئی لمحہ

اذیت اور پریشانی سے خالی نہیں گزرتا اور اندر سے میرے دل میں غم اور صدمہ کی جو آگ سلگ رہی ہے تم اس سے واقف نہیں ہو اس لئے میرا جیسا بننے کی ہرگز دعا مت کرانا۔ اب اس شخص کو پتہ چلا کہ جتنے لوگ مال و دولت اور عیش و آرام میں نظر آرہے ہیں وہ کسی نہ کسی مصیبت اور پریشانی میں گرفتار ہیں۔ جب دوبارہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ ہاں بتاؤ تم کس جیسا بننا چاہتے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا کہ مجھے کوئی بھی شخص غم اور پریشانی سے خالی نظر نہیں آیا جس کے جیسا بننے کی دعا کراؤں.......... حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس دنیا میں کوئی بھی شخص تمہیں بے غم نظر نہیں آئے گا۔ البتہ میں تمہارے لئے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تمہیں عافیت کی زندگی عطا فرمائے۔

تکالیف کی بہترین مثال

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے یں کہ ان تکالیف کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی کے جسم میں کوئی بیماری ہے جس کی وجہ سے ڈاکٹر نے آپریشن کرنا تجویز کیا۔ اب مریض کو معلوم ہے کہ آپریشن میں چیر پھاڑ ہو گی.......... تکلیف ہو گی.......... لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر سے درخواست کرتا ہے کہ میرا آپریشن جلدی کر دو.......... اور دوسروں سے سفارش بھی کرا رہا ہے اور ڈاکٹر کو بھاری فیس بھی دے رہا ہے گویا کہ اس مقصد کے لئے پیسے دے رہا ہے کہ میرے اوپر نشتر چلاؤ۔ وہ یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ آپریشن کی اور نشتر چلانے کی تکلیف معمولی اور عارضی ہے۔ چند روز کے بعد زخم ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن اس آپریشن کے بعد جو صحت کی نعمت ملنے والی ہے وہ اتنی عظیم ہے کہ اس کے مقابلے میں یہ تکلیف کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اور جو ڈاکٹر چیر پھاڑ کر رہا ہے اگرچہ بظاہر تکلیف دے رہا ہے لیکن اس مریض کے لئے اس وقت میں اس سے

زیادہ مشفق اور محسن کوئی اور نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ڈاکٹر آپریشن کے ذریعہ اس کے لئے صحت کا سامان کر رہا ہے۔

(اصلاحی خطبات جلد ۷)

حضرت بہلولؒ کا نصیحت آموز واقعہ

ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت بہلول مجذوب رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ مجذوب قسم کے بزرگ تھے.......... بادشاہ ہارون رشید کا زمانہ تھا۔ ہارون رشید ان مجذوب سے ہنسی مذاق کرتا رہتا تھا۔ اگرچہ مجذوب تھے لیکن بڑی حکیمانہ باتیں کیا کرتے تھے۔ ہارون رشید نے اپنے دربانوں سے کہہ دیا تھا کہ جب یہ مجذوب میرے پاس ملاقات کے لئے آنا چاہیں تو ان کو آنے دیا جائے۔ ان کو روکا نہ جائے۔ چنانچہ جب ان کا دل چاہتا دربار میں پہنچ جاتے۔ ایک دن یہ دربار میں آئے تو اس وقت ہارون رشید کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی.......... ہارون رشید نے ان مجذوب کو چھیڑتے ہوئے کہا کہ بہلول صاحب! آپ سے میری ایک گزارش ہے۔ بہلول نے پوچھا کیا ہے؟ ہارون رشید نے کہا کہ میں آپ کو یہ چھڑی بطور امانت کے دیتا ہوں۔ اور دنیا کے اندر آپ کو اپنے سے زیادہ کوئی بیوقوف آدمی ملے.......... اس کو یہ چھڑی میری طرف سے ھدیہ میں دے دینا۔ بہلول نے کہا بہت اچھا۔ یہ کہہ کر چھڑی رکھ لی۔

بادشاہ نے تو بطور مذاق کے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ اور بتانا یہ مقصود تھا کہ دنیا میں تم سب سے زیادہ بے وقوف ہو۔ تم سے زیادہ بے وقوف کوئی نہیں ہے۔ بہر حال.......... بہلول وہ چھڑی لے کر چلے گئے۔

اس واقعہ کو کئی سال گزر گئے.......... ایک روز بہلول کو پتہ چلا کہ ہارون رشید بہت سخت بیمار ہیں۔ اور بستر سے لگے ہوئے ہیں.......... اور علاج ہو رہا ہے.......... لیکن کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ یہ بہلول مجذوب بادشاہ کی عیادت کے لئے پہنچ گئے۔ اور پوچھا کہ امیر المومنین! کیا حال ہے؟ بادشاہ نے

جواب دیا کہ حال کیا پوچھتے ہو.......... سفر در پیش ہے۔ بہلول نے پوچھا کہاں کا سفر در پیش ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ آخرت کا سفر در پیش ہے.......... دنیا سے اب جارہا ہوں۔ بہلول نے سوال کیا.......... کتنے دن میں واپس آئیں گے؟ ہارون نے کہا بھائی یہ آخرت کا سفر ہے.......... اس سے کوئی واپس نہیں آیا کرتا بہلول نے کہا اچھا آپ واپس نہیں آئیں گے تو آپ نے سفر کے راحت اور آرام کے انتظامات کے لئے کتنے لشکر اور فوجی آگے بھیجے ہیں؟ بادشاہ نے جواب میں کہا تم پھر بے وقوفی جیسی باتیں کر رہے ہو۔ آخرت کے سفر میں کوئی ساتھ نہیں جایا کرتا۔ نہ باڈی گارڈ جاتا ہے.......... نہ لشکر.......... نہ فوج اور نہ سپاہی جاتا ہے۔ وہاں تو انسان تنہا ہی جاتا ہے۔ بہلول نے کہا کہ اتنا لمبا سفر کہ وہاں سے واپس بھی نہیں آنا ہے.......... لیکن آپ نے کوئی فوج اور لشکر نہیں بھیجا حالانکہ اس سے پہلے آپ کے جتنے سفر ہوتے تھے.......... اس میں انتظامات کے لئے آگے سفر کا سامان اور لشکر جایا کرتا تھا۔ اس سفر میں کیوں نہیں بھیجا؟ بادشاہ نے کہا کہ نہیں.......... یہ سفر ایسا ہے کہ اس سفر میں کوئی لاؤ لشکر اور فوج نہیں بھیجی جاتی۔ بہلول نے کہا بادشاہ سلامت! آپ کی ایک امانت بہت عرصے سے میرے پاس رکھی ہے.......... وہ ایک چھڑی ہے.......... آپ نے فرمایا تھا کہ مجھ سے زیادہ کوئی بے وقوف تمہیں ملے تو اس کو دے دینا۔ میں نے بہت تلاش کیا.......... لیکن مجھے اپنے سے زیادہ بیوقوف آپ کے علاوہ کوئی نہیں ملا.......... اس لئے کہ میں یہ دیکھا کرتا تھا کہ اگر آپ کا چھوٹا سا بھی سفر ہوتا تھا تو مہینوں پہلے سے اس کی تیاری ہوا کرتی تھی.......... کھانے پینے کا سامان.......... خیمے.......... لاؤ لشکر.......... باڈی گارڈ سب پہلے سے بھیجا جاتا تھا اور اب یہ اتنا لمبا سفر جہاں سے واپس بھی نہیں آنا ہے.......... اس کے لئے کوئی تیاری نہیں ہے۔ آپ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی بے وقوف نہیں ملا۔ لہٰذا آپ کی یہ امانت آپ کو واپس کرتا ہوں۔

یہ سن کر ہارون رشید رو پڑا.......... اور کہا بہلول! تم نے سچی بات کی۔ ساری عمر ہم تم کو بے وقوف سمجھتے رہے.......... لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکمت کی بات تم نے ہی کہی۔ واقعی ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی۔ اور اس آخرت کے سفر کی کوئی تیاری نہیں کی۔

مغربی تہذیب کی ہر چیز الٹی ہے

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نئی مغربی تہذیب میں پہلی تہذیب کے مقابلے میں ہر چیز الٹی ہے۔ اور پھر مزاحاً فرماتے کہ پہلے چراغ تلے اندھیرا ہوتا تھا اور اب بلب کے اوپر اندھیرا ہوتا ہے۔ اس مغربی تہذیب نے ہماری قدروں کو باقاعدہ اہتمام کر کے بدلا ہے۔ چنانچہ آج کل کی تہذیب یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت کانٹا اور چھری دائیں ہاتھ میں پکڑ لی جائے اور بائیں ہاتھ سے کھایا جائے۔

آج سے کئی سال پہلے میں ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ میری ساتھ والی سیٹ پر ایک اور صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ سفر کے دوران ان سے ذرا بے تکلفی بھی ہو گئی تھی.......... جب کھانا آیا تو ان صاحب نے حسب معمول دائیں ہاتھ سے چھری لی اور بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم نے ہر چیز میں انگریز کی تقلید شروع کر رکھی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ دائیں ہاتھ سے کھاتے تھے اس لئے اگر آپ دائیں ہاتھ سے کھالیں تو آپ کا یہی عمل موجب ثواب بن جائے گا۔ وہ جواب میں کہنے لگے کہ اصل میں ہماری قوم اسی وجہ سے پیچھے رہ گئی ہے کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان مولویوں نے ان چیزوں کے اندر ہماری قوم کو پھنسا دیا اور ترقی کا راستہ روک دیا اور جو بڑے بڑے کام تھے ان میں ہم پیچھے رہ گئے۔

ایک یہودی کا عبرتناک قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یہودی کا قصہ لکھا ہے کہ اس نے مال و دولت کے بہت خزانے جمع کر رکھے تھے ایک دن وہ خزانے کا معائنہ کرنے کے ارادہ سے چلا خزانے پر چوکیدار بٹھایا ہوا تھا لیکن وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں چوکیدار خیانت تو نہیں کر رہا ہے۔ اس لئے چوکیدار کو اطلاع دیئے بغیر وہ خود اپنی خفیہ چابی سے خزانے کا تالہ کھول کر اندر چلا گیا۔ چوکیدار کو پتہ نہیں تھا کہ مالک معائنہ کے لئے اندر گیا ہوا ہے۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ خزانے کا دروازہ کھلا ہوا ہے.......... اس نے آکر باہر سے تالا لگا دیا۔ اب وہ مالک اندر معائنہ کرتا رہا.......... خزانے کی سیر کرتا رہا۔ جب معائنے سے فارغ ہو کر باہر نکلنے کے لئے دروازے کے پاس آیا تو دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے۔ اب اندر سے آواز لگاتا ہے تو آواز باہر نہیں جاتی۔ اس خزانے کے اندر سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ لیکن بھوک مٹانے کے لئے ان کو کھا نہیں سکتا تھا۔ پیاس لگ رہی ہے لیکن ان کے ذریعہ اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا۔ حتی کہ اس خزانے کے اندر بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر جان دیدی اور وہی خزانہ اس کی موت کا سبب بن گیا۔

پہلے انسان تو بن جاؤ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور جملہ ہے وہ یہ کہ اگر تمہیں صوفی بننا ہے یا عابد زاہد بننا ہے تو اس مقصد کے لئے بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں وہاں چلے جاؤ.......... اگر انسان بننا ہے تو یہاں آجاؤ.......... اس لئے کہ یہاں تو انسان بنایا جاتا ہے۔ مسلمان بننا.......... عالم بننا.......... اور صوفی بننا تو بعد کی بات ہے.......... اونچے درجے کی بات ہے.......... ارے پہلے انسان تو بن جاؤ اور پہلے جانوروں کی صف سے نکل جاؤ اور انسان اس وقت تک انسان نہیں

بنتا جب تک اس کو اسلامی معاشرت کے آداب نہ آتے ہوں.......... اور ان پر عمل نہ کرتا ہو۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی مثال

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھوٹے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے چھوٹی سی چنگاری اور بڑے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے بڑی آگ اور بڑا انگارا۔ اب کوئی شخص یہ سوچ کر کہ یہ تو چھوٹی سی چنگاری ہے اور بڑی آگ تو ہے نہیں.......... لاؤ میں اسے اپنے صندوق میں رکھ لیتا ہوں تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ چھوٹی سے چنگاری سارے صندوق اور کپڑوں کو جلا کر راکھ کر دے گی۔

مخلوق سے اچھی توقعات ختم کر دو

فرمایا کہ دنیا میں راحت سے رہنے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے وہ یہ کہ مخلوق سے توقعات ختم کر دو مثلاً یہ توقع رکھنا کہ فلاں شخص میرے ساتھ اچھائی کرے گا.......... فلاں میرے کام آئے گا.......... فلاں شخص میرے دکھ درد میں شریک ہو گا یہ تمام توقعات ختم کر کے صرف ایک ذات یعنی اللہ جل شانہ.......... سے توقع رکھو.......... اس لئے کہ مخلوقات سے توقع ختم کرنے کے بعد اگر ان کی طرف سے کوئی اچھائی ملے گی تو وہ خلاف توقع ملے گی.......... اس کے نتیجے میں خوشی بہت ہو گی.......... کیونکہ خلاف توقع ملی ہے اور اگر مخلوق کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے گی تو پھر زیادہ رنج نہیں ہو گا۔

اصلاح نفس کے لئے پہلا قدم

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غصہ ضبط کرنا سلوک و طریقت کا ایک باب عظیم ہے جو آدمی اللہ کے راستے پر چلنا چاہتا ہو اور اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہو اس کے لئے پہلا قدم یہ ہو گا کہ وہ اپنے غصہ کو قابو میں

کرنے کی فکر کرے۔

ایک کا عیب دوسرے کو نہ بتایا جائے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آئینہ کا کام یہ ہے کہ جو شخص اس کے سامنے آئے گا اور اس کے اوپر کوئی عیب ہو گا تو وہ آئینہ صرف اسی شخص کو بتائے گا کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے۔ وہ آئینہ دوسروں سے نہیں کہے گا کہ فلاں شخص میں یہ عیب ہے اور نہ اس عیب کی دوسروں کے سامنے تشہیر اور چرچا کرے گا۔ اسی طرح مومن بھی ایک آئینہ ہے جب وہ دوسروں کے اندر کوئی عیب دیکھے تو صرف اسی کو خلوت میں خاموشی سے بتا دے............ باقی دوسروں سے جا کر کہنا مومن کا کام نہیں بلکہ یہ تو نفسانیت کا کام ہے۔ اگر دل میں نفسانیت ہو گی تو وہاں یہ خیال آئے گا کہ اس عیب کی وجہ سے اس کو ذلیل و رسوا کروں جبکہ مسلمانوں کو ذلیل اور رسوا کرنا حرام ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پرانے خادم بھائی نیاز صاحب مرحوم تھے۔ خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت کے پاس رہا کرتے تھے۔ چونکہ بہت عرصے سے حضرت والا کی خدمت کر رہے تھے۔ اس لئے طبیعت میں تھوڑا سا ناز بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت کے پاس آکر ان کی شکایت کی کہ یہ بھائی نیاز صاحب بڑے منہ چڑھ گئے ہیں............ اور بعض اوقات لوگوں کو ڈانٹ دیتے ہیں۔ حضرت والا کو تشویش ہوئی کہ خانقاہ میں آنے والے لوگوں کو اس طرح ناحق ڈانٹنا تو بری بات ہے۔ چنانچہ آپ نے ان کو بلا کر ان سے کہا۔ میاں نیاز! یہ کیا حرکت ہے کہ تم ہر ایک کو ڈانٹتے پھرتے ہو! بھائی نیاز صاحب کے منہ سے یہ جملہ نکلا کہ "حضرت جی! جھوٹ مت بولو............ اللہ سے ڈرو" بظاہر بھائی نیاز صاحب یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ جن لوگوں نے آپ سے میری

شکایت کی ہے کہ میں لوگوں کو ڈانٹتا پھرتا ہوں.......... وہ لوگ جھوٹ نہ بولیں۔ اللہ سے ڈریں۔ لیکن ان کے منہ سے نکل گیا کہ "جھوٹ نہ بولو.......... اللہ سے ڈرو" ایسے موقع پر وہ نوکر اور زیادہ سزا کا اور ڈانٹ کا مستحق ہونا چاہئے.......... لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جیسے ہی یہ الفاظ سنے فوراً نظر نیچے کی.......... اور "استغفر اللہ.......... استغفر اللہ" کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

بات دراصل یہ ہوئی کہ ان کے اس کہنے سے حضرت والا کو یہ تنبیہ ہوئی کہ میں نے یک طرفہ بات سن کر ان کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔ ایک آدمی نے ان کے بارے میں اطلاع دی تھی کہ یہ ایسا کرتے ہیں اور خود ان سے یہ نہیں پوچھا کہ اصل واقعہ کیا تھا.......... اور صرف اس اطلاع پر میں نے ان کو ڈانٹنا شروع کر دیا.......... یہ بات میں نے ٹھیک نہیں کی۔ اس لئے فوراً "استغفر اللہ" کہہ کر وہاں سے چلے گئے.......... ایسے شخص کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جلالی بزرگ تھے اور لوگوں کو بڑی ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتے تھے۔

ایک بچے کا بادشاہ کو گالی دینا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے واقعات کی صحیح حقیقت سمجھانے کے لئے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ نظام حیدر آباد دکن کے ایک نواب صاحب تھے.......... ان کے وزیر نے ایک مرتبہ ان کی دعوت کر دی.......... اور ان کو اپنے گھر بلایا.......... جب نواب صاحب گھر میں داخل ہوئے تو وزیر صاحب کا بچہ وہاں پر کھیل رہا تھا۔ نواب صاحب کو بچوں سے چھیڑ خوانی کرنے کی عادت تھی۔ انہوں نے وزیر کے بچے کو چھیڑنے کے لئے اس کا کان پکڑ لیا۔ وہ بہت تیز طرار تھا۔ وہ کیا جانے کہ نواب کون ہے.......... اور بادشاہ کون ہے۔ بچے نے پلٹ کر نواب صاحب کو گالی دیدی۔ جب وزیر صاحب نے بچے کے منہ سے نواب صاحب کے لئے گالی سنی تو ان کی جان نکل گئی کہ میرے بچے نے نواب

صاحب کو گالی دیدی۔ اور نواب صاحب کی تو زبان قانون ہوتی ہے۔ اب پتہ نہیں بچے کا کیا حشر کرے گا........ اس لئے وزیر نے اپنی وفاداری جتانے کے لئے تلوار نکال لی........ اور کہا کہ میں ابھی اس کا سر قلم کرتا ہوں........ اس نے نواب صاحب کی شان میں گستاخی کی ہے۔ نواب صاحب نے روکا کہ نہیں۔ چھوڑو........ یہ بچہ ہی تو ہے........ باقی یہ بچہ ذہین لگتا ہے۔ اور اس میں اتنی خوداری ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا کان مروڑ دے تو یہ بچہ فوراً اس کے آگے ہتھیار ڈالنے والا نہیں ہے۔ بلکہ بڑا ذہین اور خوددار ہے۔ اپنا بدلہ خود لینے والا ہے۔ اور اپنے اوپر اعتماد رکھنے والا ہے۔ ایسا کرو کہ اس کا ماہانہ وظیفہ جاری کر دو۔ چنانچہ ان کا وظیفہ جاری ہوا۔ اس وظیفہ کا نام تھا "وظیفہ دشنام" یعنی گالی دینے کا وظیفہ........ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب تم بھی یہ سوچ کر کہ گالی دینے سے وظیفہ جاری ہوتا ہے لہذا تم بھی جا کر نواب صاحب کو گالی دے آؤ۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ خاص طور پر اس بچے کے خاص حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بادشاہ کی سخاوت کا ایک مظاہرہ تھا کہ گالی دینے کے باوجود بچے کو نواز دیا۔ لیکن یہ کوئی عام قانون نہیں تھا کہ جو کوئی نواب صاحب کو گالی دے گا تو اس کو وظیفہ ملے گا۔ بلکہ اب کوئی گالی دے گا تو پٹائی ہو گی۔ جیل میں بند کر دیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ سر قلم کر دیا جائے۔

یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی نکتہ نوازی کا ہے کہ کسی کو کسی نکتے سے نواز دیا........ اور کسی کو کسی نکتے سے نواز دیا........ کسی کا کوئی عمل قبول فرما لیا۔ اور کسی کا کوئی عمل قبول فرما لیا........ ان کی رحمت کسی قید کسی شرط اور کسی قانون کی پابند نہیں۔ وسعت رحمتی کل شئی میری رحمت تو ہر چیز پر وسیع ہے۔ اس لئے کسی کے ساتھ ناانصافی کبھی نہیں ہوتی........ لیکن بعض اوقات کسی کو کسی عمل پر نواز دیا جاتا ہے۔ جب وہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے۔ جن کو "بھائی نیاز" کہا کرتے تھے۔ بڑے ناز پروردہ خادم تھے......... اس لئے آنے والے لوگ بھی ان سے محبت کرتے تھے۔ اور چونکہ خانقاہ کے اندر ہر چیز کا ایک نظم اور وقت ہوتا تھا۔ اس لئے آنے والوں پر روک ٹوک بھی کیا کرتے تھے کہ یہ کام مت کرو۔ یہ کام اس طرح کرو وغیرہ......... کسی شخص نے حضرت والا کے پاس ان کی شکایت کی کہ آپ کے یہ خادم بھائی نیاز صاحب بہت سر چڑھ گئے ہیں......... اور بہت سے لوگوں پر غصہ اور ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دیتے ہیں حضرت والا کو یہ سن کر غصہ آیا کہ یہ ایسا کرتے ہیں......... اور ان کو بلولیا......... اور ان کو ڈانٹا کہ کیوں بھائی نیاز......... یہ کیا تمہاری حرکت ہے ہر ایک کو تم ڈانٹتے رہتے ہو......... تمہیں ڈانٹنے کا حق کس نے دیا ہے؟ جواب میں بھائی نیاز نے کہا کہ حضرت! اللہ سے ڈرو......... جھوٹ نہ بولو......... ان کا مقصد حضرت والا کو کہنا نہیں تھا......... بلکہ مقصد یہ تھا کہ جو لوگ آپ سے شکایت کر رہے ہیں......... ان کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور جھوٹ نہ بولیں......... جس وقت حضرت والا نے بھائی نیاز کی زبان سے یہ جملہ سنا۔ اسی وقت گردن جھکائی اور "استغفر اللہ استغفر اللہ" کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے......... دیکھنے والے حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہوا۔ ایک ادنیٰ خادم نے حضرت والا سے ایسی بات کہہ دی۔ لیکن حضرت بجائے ان کو کچھ کہنے کے استغفر اللہ کہتے ہوئے چلے گئے......... بعد میں خود حضرت والا نے فرمایا کہ دراصل مجھ سے غلطی ہو گئی تھی کہ میں نے ایک طرف کی بات سن کر فوراً ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے چاہئے تھا کہ میں پہلے ان سے پوچھتا کہ لوگ آپ کے بارے میں یہ شکایت کر رہے ہیں۔ آپ کیا کہتے ہیں کہ شکایت درست ہے یا غلط ہے۔ اور دوسرے فریق کی بات سنے بغیر ڈانٹنا شریعت کے خلاف ہے۔ چونکہ

یہ بات شریعت کے خلاف تھی......... اس لئے میں اس پر استغفار کرتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ حق و باطل کو جانچنے کی ترازو پیدا فرما دیتے ہیں۔ اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کا کوئی کلمہ حد سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فہم عطا فرما دے۔ آمین۔

ذہنی تکلیف میں مبتلا کرنا حرام ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں زبان اور ہاتھ کے ذریعہ ظاہری افعال کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن اگر آپ نے اپنی زبان یا ہاتھ سے کوئی ایسا کام کیا جس سے دوسرے کو ذہنی تکلیف ہوئی تو وہ اس حدیث میں داخل ہے۔ مثلاً آپ نے کسی سے قرض لیا اور اس سے یہ وعدہ کر لیا کہ اتنے دنوں کے اندر ادائیگی کر دوں گا۔ اب اگر آپ وقت پر ادائیگی نہیں کر سکتے تو اس کو بتا دیں کہ میں فی الحال ادائیگی نہیں کر سکتا۔ اتنے دن کے بعد ادا کروں گا۔ پھر بھی ادا نہ کر سکو تو پھر بتا دو۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے کہ آپ اس کو لٹکا دیں۔ یا کل دے دیں گے۔ لیکن آپ نہ تو اس کو اطلاع دیتے ہیں۔ اور نہ قرض واپس کرتے ہیں......... اس طرح آپ نے اس کو ذہنی اذیت اور تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ اب وہ نہ تو کوئی پلان بنا سکتا ہے......... نہ وہ کوئی منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ اس کو قرض واپس ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کب تک ملے گا۔ آپ کا یہ طرز عمل بھی ناجائز اور حرام ہے۔

ملازم پر ذہنی بوجھ ڈالنا

حتی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ آپ کا ایک نوکر اور ملازم ہے۔ اب آپ نے چار کام ایک ساتھ بتا دیئے کہ پہلے یہ کام کرو۔ پھر یہ کام......... پھر یہ کام کرنا۔ پھر یہ کام کرنا۔ اس طرح آپ نے چار

کاموں کو یاد رکھنے کا بوجھ اس کے ذہن پر ڈال دیا............ اگر ایسا کرنا بہت ضروری نہیں ہے تو ایک ساتھ چار کاموں کا بوجھ اس کے ذہن پر نہیں ڈالنا چاہئے۔ بلکہ اس کو پہلے ایک کام بتا دو۔ جب وہ پہلا کام کر چکے تو اب دوسرا کام بتایا جائے............ وہ اس کو کر چکے تو پھر تیسرا کام بتایا جائے چنانچہ خود اپنا طریقہ بتایا کہ میں اپنے نوکر کو ایک وقت میں ایک کام بتاتا ہوں۔ اور دوسرے کام جو اس سے کرانے ہیں ان کو یاد رکھنے کا بوجھ اپنے سر پر رکھتا ہوں۔ نوکر کے سر پر نہیں رکھتا............ تاکہ وہ ذہنی بوجھ میں مبتلا نہ ہو جائے............ جب وہ ایک کام کر کے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر دوسرا کام بتاتا ہوں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت والا کی نگاہ کتنی دور رس تھی۔

"آداب المعاشرت" پڑھئے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی ایک مختصر سی کتاب ہے "آداب المعاشرت" اس میں معاشرت کے آداب تحریر فرمائے ہیں............ یہ کتاب ہر مسلمان کو ضرور پڑھنی چاہئے۔ اس کتاب کے شروع میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں اس کتاب میں معاشرت کے تمام آداب تو نہیں لکھ سکا............ بلکہ متفرق طور پر جو آداب ذہن میں آئے وہ اس میں جمع کر دیئے ہیں تاکہ جب تم ان آداب کو پڑھو گے تو خود بخود تمہارا ذہن اس طرف منتقل ہو گا کہ جب یہ بات ادب میں داخل ہے تو فلاں جگہ پر بھی ہمیں اس طرح کرنا چاہئے............ آہستہ آہستہ خود تمہارے ذہن میں وہ آداب آتے چلے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارا ذہن کھول دیں گے۔ چنانچہ معاشرت ہی کا ایک ادب یہ ہے کہ گاڑی ایسی جگہ کھڑی کرو کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا راستہ بند نہ ہو............ اور دوسرے کو تکلیف نہ ہو............ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے آج ہم نے ان چیزوں کو بھلا دیا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ہم گناہ گار ہو رہے ہیں............ بلکہ دین کی غلط نمائندگی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہمیں دیکھ کر باہر سے

آنے والا شخص یہ کہے گا کہ یہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں......... اس سے اسلام کا کیا رخ سامنے آئے گا؟ اور وہ ان چیزوں سے اسلام کی طرف کشش محسوس کرے گا یا اسلام سے دور بھاگے گا؟ اللہ بچائے۔ ہم لوگ دین کا ایک اچھا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے لئے کشش کا باعث بننے کے بجائے ہم دین سے رکاوٹ کا باعث بن رہے ہیں۔ معاشرت کے اس باب کو ہم نے خاص طور پر چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کوتاہی سے جلد از جلد نجات عطا فرمائے۔ اور ہماری فہم کو درست فرمائے۔ اور ہمیں دین کے تمام شعبوں پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

مخلوق سے اچھی توقعات ختم کر دو

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مواعظ میں بڑے تجربے کی بات فرمائی ہے......... فرمایا کہ دنیا میں راحت سے رہنے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے۔ وہ یہ کہ مخلوق سے توقعات ختم کر دو......... مثلاً یہ توقع رکھنا کہ فلاں شخص میرے ساتھ اچھائی کرے گا۔ فلاں شخص میرے کام آئے گا۔ فلاں شخص میرے دکھ درد میں شریک ہو گا......... یہ تمام توقعات ختم کر کے صرف ایک ذات یعنی اللہ جل شانہ......... سے توقع رکھو......... اس لئے کہ مخلوقات سے توقع ختم کرنے کے بعد اگر ان کی طرف سے کوئی اچھائی ملے گی تو وہ خلاف توقع ملے گی......... اس کے نتیجے میں خوشی بہت ہو گی......... کیونکہ خلاف توقع ملی ہے اور اگر مخلوق کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے گی تو پھر رنج زیادہ نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ اچھائی کی توقع تو تھی نہیں......... تکلیف ہی کی توقع تھی......... وہ تکلیف توقع کے مطابق ہی ملی......... اس لئے صدمہ اور رنج زیادہ نہیں ہو گا۔

ایک بزرگ کا واقعہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے؟ کیسے مزاج ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ الحمدللہ بہت اچھا حال ہے......... پھر فرمایا کہ میاں اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں کوئی کام میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر کام میری مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور کائنات کے سب کام جس کی مرضی کے مطابق ہو رہے ہوں اس سے زیادہ خوش اور اس سے زیادہ عیش میں کون ہو سکتا ہے؟ سوال کرنے والے کو بڑا تعجب ہوا......... اس نے کہا کہ یہ بات تو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ اس کائنات کا ہر کام ان کی مرضی کے مطابق ہوتا ہو......... بلکہ ان کی مرضی کے خلاف بھی کام ہوتے تھے......... آپ کا ہر کام آپ کی مرضی کے مطابق کیسے ہو جاتا ہے؟

ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع بنا دیا ہے......... بس جو میرے اللہ کی مرضی وہ میرے مرضی......... جو میرے اللہ کی مشیت وہی میری مشیت......... اور اس کائنات میں ہر کام اللہ کی مرضی اور اللہ کی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے......... اور میں نے اپنی انا کو مٹا دیا ہے اس لئے ہر کام میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے......... کیونکہ وہ اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اس لئے میں بڑا خوش ہوں......... اور عیش و عشرت میں ہوں۔

یہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ لوگ بہت اشتیاق سے پوچھتے ہیں کہ فلاں گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟ اور پوچھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر صغیرہ ہے تو کر لیں گے۔ اور اگر کبیرہ

ہے تو اس کے کرنے میں تھوڑا ڈر اور خوف محسوس ہو گا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چنگاری اور ایک بڑا انگارہ۔ کبھی آپ نے کسی کو دیکھا کہ ایک چھوٹی سے چنگاری کو صندوق میں رکھ لے.......... اور یہ سوچ کہ یہ تو ایک چھوٹی سی چنگاری ہے.......... کوئی عقلمند انسان ایسا نہیں کرے گا......... کیونکہ صندوق میں رکھنے کے بعد وہ آگ بن جائے گی اور صندوق کے اندر جتنی چیزیں ہوں گی ان سب کو جلا دے گی اور صندوق کو بھی جلا دے گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ پورے گھر کو جلا دے۔ یہی حال گناہ کا ہے.......... گناہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو.......... وہ آگ کی چنگاری ہے۔ اگر تم اپنے اختیار سے ایک گناہ کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایک گناہ تمہاری پوری زندگی کی پونجی خاکستر کر دے۔ اس لئے اس فکر میں مت پڑو کہ چھوٹا ہے یا بڑا۔ بلکہ یہ دیکھو کہ گناہ ہے یا نہیں.......... یہ کام ناجائز ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے یا نہیں؟ جب یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا کر کے یہ سوچو کہ یہ گناہ کر کے میں اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ بہر حال.......... اس آیت کا مصداق بننے کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی انسان کے دل میں گناہ کا داعیہ پیدا ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے موجود ہونے کا دل میں دھیان کرے اور اس کے ذریعہ گناہ کو چھوڑ دے۔

(اصلاحی خطبات جلد ۸)

باب دوم

مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

کے ارشادات

کام کرنے کا بہترین گُر

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جو کام فرصت کے انتظار میں ٹال دیا.......... وہ ٹل گیا.......... وہ پھر نہیں ہو گا اس واسطے کہ تم نے اس کو ٹال دیا.......... کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو گھسا دو.......... یعنی وہ دو کام جو تم پہلے سے کر رہے ہو.......... اب تیسرا کام کرنے کا خیال آیا تو ان دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو زبردستی گھسا دو.......... وہ تیسرا کام بھی ہو جائے گا.......... یہ منصوبے اور پلان بنانا کہ جب یہ کام ہو جائے گا تو پھر کام کریں گے یہ سب ٹالنے والی باتیں ہیں اور شیطان عموماً اسی طرح دھوکہ میں رکھتا ہے..........

مال و دولت کے ذریعے راحت نہیں خریدی جا سکتی

فرمایا کہ راحت اور آرام اور چیز ہے اور اسباب راحت اور چیز ہیں اسباب راحت سے راحت حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں.......... راحت اللہ جل جلالہ کا عطیہ ہے اور ہم نے آج اسباب راحت کا نام راحت رکھ دیا ہے.......... بہت سارا روپیہ رکھا ہو تو کیا بھوک کے وقت وہ اس کو کھا لے گا.......... کیا اگر کپڑے کی ضرورت ہو گی تو اس کو پہن لے گا.......... کیا گرمی لگنے کے وقت وہ پیسہ اس کو ٹھنڈ پہنچائے گا؟ بذات خود نہ تو یہ پیسہ راحت ہے اور نہ ہی اس کے ذریعے تم راحت خرید سکتے ہو۔ اور اگر اس کے ذریعے تم نے اسباب راحت خرید بھی لئے مثلاً آرام کی خاطر تم نے اس کے ذریعے کھانے پینے کی چیزیں خرید لیں.......... اچھے کپڑے خرید لئے.......... گھر کی سجاوٹ کا سامان خرید لیا.......... لیکن کیا راحت حاصل ہو گئی یاد رکھو محض ان اسباب کو جمع کر لینے سے راحت کا مل جانا کوئی ضروری نہیں.......... اس لئے کہ ایک شخص کے پاس

راحت کے تمام اسباب موجود ہیں لیکن صاحب بہادر کو گولی کھائے بغیر نیند نہیں آتی......... بستر آرام دہ......... ائرکنڈیشنڈ کمرہ اور نوکر چاکر سبھی کچھ موجود ہیں......... لیکن نیند نہیں آرہی ہے......... اب بتاؤ اسباب راحت سارے موجود ہیں لیکن نیند ملی؟ راحت ملی؟ اور ایک وہ شخص ہے جس کے گھر پہ نہ تو پکی چھت ہے......... بلکہ ٹین کی چادر ہے......... نہ چارپائی ہے بلکہ فرش پر سو رہا ہے......... لیکن بس ایک ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھا اور سیدھا نیند کے اندر گیا اور آٹھ گھنٹے کی بھر پور نیند لے کر صبح کو بیدار ہوا......... راحت اس کو ملی یا اس کو؟ اس کے پاس اسباب راحت موجود نہیں تھے لیکن راحت مل گئی یاد رکھو اگر دنیا کے اسباب جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے اور دوسروں سے آگے بڑھنے کی فکر میں لگ گئے تو خوب سمجھ لو کہ اسباب راحت تو جمع ہو جائیں گے لیکن راحت پھر بھی حاصل نہ ہو گی۔

وہ دولت کس کام کی جو اولاد کو باپ کی شکل نہ دکھا سکے

ایک صاحب تھے بہت بڑے مل اونر اور ان کا کاروبار یہاں صرف پاکستان میں ہی نہیں......... بلکہ مختلف ممالک میں پھیلا ہوا تھا۔ ایک دن مفتی صاحب نے پوچھا کہ آپ کی اولاد کتنی ہے انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا سنگاپور میں ہے......... ایک لڑکا فلاں ملک میں ہے سب دوسرے ملکوں میں ہیں دوبارہ پوچھا کہ آپ کی اپنے لڑکوں سے ملاقات تو ہوتی رہتی ہو گی؟ وہ آتے جاتے رہتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئے ۱۵ سال ہو گئے ہیں......... ۱۵ سال سے باپ نے بیٹے کی شکل نہیں دیکھی......... بیٹے نے باپ کی شکل نہیں دیکھی......... تو اب بتاؤ ایسا روپیہ کس کام کا کہ جو اولاد کو باپ کی شکل نہ دکھا سکے......... یہ ساری دوڑ دھوپ اسباب راحت کے لئے ہو رہی ہے لیکن راحت مفقود ہے اس لئے یاد رکھو کہ راحت پیسے کے ذریعے نہیں خریدی جا سکتی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا معمول

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ہمیشہ محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی کا بیسواں حصہ اور بغیر محنت کے حاصل ہونے والی آمدنی کا دسواں حصہ علیحدہ لفافے میں رکھ دیا کرتے تھے اور آپ کا یہ ساری زندگی کا معمول تھا۔ اگر ایک روپیہ بھی کہیں سے آیا تو اسی وقت اس کا دسواں حصہ نکال کر اس کی ریز گاری کرا کر اس لفافے میں ڈال دیتے......... اور اگر سو روپے آئے ہیں تو دس روپے ڈال دیتے......... وقتی طور پر اگرچہ اس عمل میں تھوڑی سی دشواری ہوتی تھی کہ فی الحال ٹوٹے ہوئے پیسے موجود نہیں ہیں......... اب کیا کریں......... اس کے لئے مستقل انتظام کرنا پڑتا تھا......... لیکن ساری عمر کبھی اس عمل سے تخلف نہیں دیکھا اور میں نے وہ تھیلا کبھی ساری عمر بھی خالی نہیں دیکھا۔ الحمدللہ......... اس عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی اس طرح نکال نکال کر الگ کرتا رہتا ہے تو وہ تھیلا خود یاد دلاتا رہتا ہے کہ مجھے خرچ کرو اور کسی صحیح مصرف پر لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے انفاق کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

مولوی کا شیطان بھی مولوی

فرمایا کہ مولوی کا شیطان بھی مولوی ہوتا ہے عام آدمی کا شیطان تو دوسرے طریقوں سے بھکاتا ہے اور جو شیطان مولوی کو بھکاتا ہے وہ مولوی بن کر بھکاتا ہے۔ ان عالم صاحب نے اس آیت سے استدلال کیا کہ قرآن کریم میں ہے کہ سفارش کرو......... اس لئے کہ سفارش بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اس لئے میں سفارش لے کر آیا ہوں خوب سمجھ لیجئے کہ یہ سفارش جائز نہیں۔

مدرسہ کے مہتمم کا خود چندہ کرنا

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات چندہ وصول

کرنے کے لئے کسی بڑے مولانا صاحب کو ساتھ لے گئے یا کوئی بڑے مولانا صاحب یا مدرسہ کے مہتمم خود چندہ وصول کرنے کسی کے پاس چلے گئے۔ تو ان کا خود چلے جانا بذات خود ایک دباؤ ہے کیونکہ سامنے والا شخص یہ خیال کرے گا یہ تو بڑے مولانا صاحب خود آئے ہوئے ہیں اب میں کیسے انکار کروں اور چنانچہ دل نہ چاہنے کے باوجود اس کو چندہ دیا۔ یہ چندہ وصول کرنا جائز نہیں۔

اپنا ماحول خود بناؤ

فرمایا تم کہتے ہو کہ ماحول خراب ہے.......... معاشرہ خراب ہے.......... ارے! تم اپنا ماحول خود بناؤ تمہارے تعلقات ایسے لوگوں سے ہونے چاہئیں جو ان اصولوں میں تمہارے ہمنوا ہوں جو لوگ ان اصولوں میں تمہارے ہمنوا نہیں.......... ان کا راستہ الگ ہے اور تمہارا راستہ الگ ہے لہذا اپنا ایک ایسا حلقہ احباب تیار کرو جو ایک دوسرے کے ساتھ ان معاملات میں تعاون کے لئے تیار ہو اور ایسے لوگوں سے تعلق گھٹاؤ جو ایسے معاملات میں تمہارے راستے میں رکاوٹ ہیں۔

سہاگن وہ جسے پیا چاہے

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندی زبان کی ایک مثل بہت کثرت سے سنایا کرتے تھے۔ فرماتے کہ۔

"سہاگن وہ جسے پیا چاہے" قصہ یوں ہے کہ ایک لڑکی کو دلہن بنایا جارہا تھا اور اس کا سنگھار پٹار کیا جارہا تھا اب جو کوئی آتا اس کی تعریف کرتا کہ تو بڑی خوبصورت لگ رہی ہے.......... تیرا چہرہ اتنا خوبصورت ہے.......... تیرا جسم اتنا خوبصورت ہے.......... تیرا زیور اتنا خوبصورت ہے۔ اس کی ایک ایک چیز کی تعریف کی جارہی تھی۔ .... وہ لڑکی ہر ایک کی تعریف سنتی لیکن خاموش رہتی اور سنی ان سنی کر دیتی لیکن کسی خوشی کا اظہار نہ کرتی۔ لوگوں نے اس سے کہا یہ

تیری سہیلیاں تیری اتنی تعریف کر رہی ہیں۔ تجھے اس سے کوئی خوشی نہیں ہو رہی ہے؟ اس لڑکی نے جواب دیا کہ ان کی تعریف سے کیا خوشی ہو۔ اس لئے کہ یہ جو کچھ تعریفیں کریں گی وہ ہوا میں اڑ جائیں گی۔ بات جب ہے کہ جس کے لئے مجھے سنوارا جارہا ہے وہ تعریف کرے۔ وہ پسند کر کے کہہ دے کہ ہاں تو اچھی لگ رہی ہے تب تو فائدہ ہے اور اس کے نتیجے میں میری زندگی سنور جائے گی۔ لیکن اگر یہ عورتیں تو تعریف کر کے چلی گئیں اور جس کے لئے مجھے سنوارا گیا تھا اس نے ناپسند کر دیا تو پھر اس دلہن بننے اور اس سنگھار پٹار کا کیا فائدہ؟

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ اقبال مرحوم کا ایک شعر بہت پڑھا کرتے تھے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

مطلب یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اپنی حکمت اور مشیت سے پیدا فرمائی ہے۔ اگر غور کرو گے تو ہر ایک کے اندر حکمت اور مصلحت نظر آئے گی لیکن ہوتا یہ ہے کہ آدمی صرف برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے.......... اچھائیوں کی طرف نگاہ نہیں کرتا اس وجہ سے وہ بد دل ہو کر ظلم اور ناانصافی کا ارتکاب کرتا ہے۔

امیر ہو تو ایسا

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم دیوبند سے کسی دوسری جگہ سفر پر جانے لگے تو ہمارے استاد حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند میں "شیخ

الادب" کے نام سے مشہور تھے وہ بھی ہمارے ساتھ سفر میں تھے......... جب ہم اسٹیشن پر پہنچے تو گاڑی کے آنے میں دیر تھی مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم کہیں سفر پر جاؤ تو کسی کو اپنا امیر بنالو لہذا ہمیں بھی اپنا امیر بنالینا چاہیے مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ ہم شاگرد تھے وہ استاد تھے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ امیر بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ امیر تو بنے بنائے موجود ہیں حضرت مولانا نے پوچھا کہ کون؟ ہم نے کہا کہ امیر آپ ہیں اس لئے کہ آپ استاد ہیں......... ہم شاگرد ہیں۔ حضرت مولانا نے کہا اچھا آپ لوگ مجھے امیر بنانا چاہتے ہیں ہم نے کہا کہ جی ہاں......... آپ کے سوا اور کون امیر بن سکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ اچھا ٹھیک ہے لیکن امیر کا ہر حکم ماننا ہوگا اس لئے کہ امیر کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حکم کی اطاعت کی جائے ہم نے کہا جب امیر بنایا ہے تو ان شاء اللہ ہر حکم کی اطاعت بھی کریں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں امیر ہوں۔ اور میرا حکم ماننا جب گاڑی آئی تو حضرت مولاناؒ نے تمام ساتھیوں کا کچھ سامان سر پر اور کچھ ہاتھ میں اٹھایا اور چلنا شروع کر دیا......... ہم نے کہا کہ حضرت یہ کیا غضب کر رہے ہیں؟ ہمیں اٹھانے دیجئے......... مولانا نے فرمایا کہ نہیں۔ جب امیر بنایا ہے تو اب حکم ماننا ہوگا اور یہ سامان مجھے اٹھانے دیں......... چنانچہ وہ سارا سامان اٹھا کر گاڑی میں رکھا اور پھر پورے سفر میں جہاں کہیں مشقت کا کام آتا تو وہ کام خود کرتے اور جب ہم کچھ کہتے تو فوراً مولانا فرماتے کہ دیکھو......... تم نے مجھے امیر بنایا ہے اور امیر کا حکم ماننا ہوگا لہذا میرا حکم مانو۔ ان کو امیر بنانا ہمارے لئے قیامت ہو گیا۔ حقیقت میں امیر کا تصور یہ ہے۔

سنت اور بدعت کی دلچسپ مثال

میرے والد صاحب قدس اللہ سرہ کے پاس ایک بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ "دعا جو" تشریف لایا کرتے تھے......... تبلیغی

جماعت کے مشہور اکابر میں سے تھے اور بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے ایک دن آکر انہوں نے والد صاحبؒ سے عجیب خواب بیان کیا اور خواب میں میرے والد ماجدؒ کو دیکھا کہ آپ ایک بلیک بورڈ کے پاس کھڑے ہیں اور کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ان کو کچھ پڑھا رہے ہیں حضرت والا صاحبؒ نے بلیک بورڈ پر چاک سے ایک کا ہندسہ (۱) بنایا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ہے اس کے بعد آپؒ نے اس ایک کے ہندسے کے دائیں طرف (۱۰) ایک نقطہ بنایا.......... لوگوں سے پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ دس (۱۰) ہو گیا۔ پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور پوچھا اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے کہا کہ اب یہ سو (۱۰۰) ہو گیا پھر ایک نقطہ اور لگا دیا اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب ایک ہزار (۱۰۰۰) ہو گیا پھر فرمایا میں جتنے نقطے لگاتا جارہا ہوں یہ دس گناہ بڑھتا جارہا ہے پھر انہوں نے وہ سارے نقطے مٹا دیئے اور اب دوبارہ وہی نقطہ اس ایک ہندسے کے بائیں طرف (۰۱) لگا دیا پھر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہا عشاریہ ایک ہو گیا یعنی ایک کا دسواں حصہ اور پھر ایک نقطہ اور لگا دیا (۰۰۱) اور پوچھا کہ اب کیا ہو گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اب یہ اعشاریہ صفر ایک ہو گیا.......... یعنی ایک کا سوواں حصہ.......... پھر ایک نقطہ اور لگا کر پوچھا کہ اب کیا ہو گیا (۰۰۰۱) لوگوں نے بتایا کہ اب اعشاریہ صفر صفر ایک یعنی ایک کا ہزارواں حصہ بن گیا.......... پھر فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف کے نقطے اس عدد کو دس گنا کم کر رہے ہیں پھر فرمایا کہ دائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں وہ سنت ہیں اور بائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں وہ بدعت ہیں۔ دیکھنے میں بظاہر دونوں نقطے ایک جیسے ہیں لیکن جب دائیں طرف لگایا جارہا ہے تو سنت ہے اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے اور جو بائیں طرف لگائے جارہے ہیں تو وہ اجر و ثواب کا موجب ہونے کے بجائے اور زیادہ

اس کو گھٹا رہے ہیں اور انسان کے عمل کو ضائع کر رہے ہیں بس سنت اور بدعت میں یہ فرق ہے۔ بھائی! دین سارا کا سارا اتباع کا نام ہے جس وقت ہم نے جو کام کہہ دیا اس وقت اگر کرو گے تو باعث اجر ہو گا اور اگر اس سے ہٹ کر اپنے دماغ سے سوچ کر کرو گے تو اس میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نماز تہجد پڑھنا

حضرت والاؒ کی ایک بات یاد آگئی مشہور واقعہ ہے آپ حضرت نے سنا ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رات کے وقت صحابہ کرامؓ کو دیکھنے کے لئے باہر نکلا کرتے تھے ایک مرتبہ جب آپؐ نکلے تو حضرت صدیق اکبرؓ کو دیکھا کہ تہجد کی نماز میں بہت آہستہ آہستہ آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں......... جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ حضرت عمر فاروقؓ بہت زور زور سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں.......... اس کے بعد آپ واپس گھر تشریف لے آئے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ رات کو ہم نے دیکھا کہ آپ نماز میں بہت آہستہ آہستہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے.......... اتنی آہستہ آواز میں کیوں کر رہے تھے؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب میں کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں جس سے مناجات کر رہا تھا اس کو سنا دیا.......... اس لئے مجھے آواز زیادہ بلند کرنے کی ضرورت نہیں.......... جس ذات کو سنانا مقصود تھا اس نے سن لیا.......... اس کے لئے بلند آواز کی شرط نہیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اتنی زور سے کیوں پڑھ رہے تھے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں اس لئے زور سے پڑھ رہا تھا کہ سونے والوں کو جگاؤں اور شیطان کو بھگاؤں پھر آپؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ "تم ذرا بلند آواز سے پڑھا کرو" اور حضرت فاروق اعظمؓ سے فرمایا کہ "تم اپنی آواز کو تھوڑا سا کم کر دو" (ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت بالقرآۃ فی

صلاۃ اللیل، حدیث ۱۳۲۹)

بنیے سے سیانا سو باؤلا

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ہندی زبان کی ایک مثال اور کہاوت سنایا کرتے تھے کہ ان کے یہاں یہ کہاوت بہت مشہور ہے کہ "بنیے سے سیانا سو باؤلا" یعنی اگر کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ میں تجارت میں بنیے سے زیادہ سیانا اور ہوشیار ہوں اور اس سے زیادہ تجارت جانتا ہوں.......... تو وہ باؤلا اور پاگل ہے اس لئے کہ حقیقت میں تجارت کے اندر کوئی شخص بنیے سے زیادہ سیانا نہیں ہو سکتا.......... یہ کہاوت سنانے کے بعد فرماتے جو شخص یہ دعوی کرے کہ میں صحابہ کرامؓ سے زیادہ حضور اقدسؐ کا عاشق ہوں اور صحابہ کرامؓ سے زیادہ محبت رکھنے والا ہوں وہ حقیقت میں پاگل ہے.......... بیوقوف ہے.......... احمق ہے.......... اس لئے کہ صحابہ کرامؓ سے بڑا عاشق اور محبّ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

دل تو ہے ٹوٹنے کیلئے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ اب تو وہ زمانہ چلا گیا.......... پہلے زمانے میں یونانی حکیم ہوا کرتے تھے.......... وہ کشتہ بنایا کرتے تھے.......... سونے کا کشتہ.......... چاندی کا کشتہ.......... سنکھیا کا کشتہ.......... اور نہ جانے کیا کیا کشتے تیار کرتے تھے اور کشتہ بنانے کے لئے وہ سونے کو جلاتے تھے اور اتنا جلاتے تھے کہ وہ سونا راکھ بن جاتا تھا اور کہتے تھے کہ سونے کو جتنا زیادہ جلایا جائے گا اتنا ہی اس کی طاقت میں اضافہ ہو گا۔ اب جلا جلا کر جب کشتہ تیار کیا تو وہ کشتہ طلا تیار ہو گیا.......... کوئی اس کو ذرا سا کھالے تو پتہ نہیں کہاں کی قوت آجائے گی.......... تو جب سونے کو جلا جلا کر.......... مٹا مٹا کر پامال کر کے راکھ بنا دیا تو اب یہ کشتہ تیار ہو گیا۔ فرمایا کہ

ان خواہشات نفس کو جب کچلو گے اور کچل کچل کر پیس پیس کر راکھ بنا کر فنا کر دو گے.......... تب یہ کشتہ بن جائے گا اس میں اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق کی قوت آجائے گی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت آجائے گی۔ اب دل اللہ تعالیٰ کی تجلی گاہ بن جائے گا اس دل کو جتنا توڑو گے اتنا ہی یہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محبوب بنے گا۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

تم اس پر جتنی چوٹیں لگاؤں گے.......... اتنا ہی یہ بنانے والے کی نگاہ میں محبوب ہو گا.......... بنانے والے نے اس کو اسی لئے بنایا ہے کہ اسے توڑا جائے.......... اس کی خاطر اس کی خواہشات کو کچلا جائے اور جب وہ کچل جاتا ہے تو کیا سے کیا بن جاتا ہے۔

وزن بھی کم اور اللہ بھی راضی

یہ مضمون میں نے حضرت والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ اور حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار سنا.......... مواعظ میں بھی پڑھا.......... لیکن بعد میں ایک ماہر ڈاکٹر کا مضمون نظر سے گزرا جس میں لکھا تھا کہ "آج کل لوگ اپنے بدن کا وزن کم کرنے کے لئے طرح طرح کے نسخے استعمال کرتے ہیں۔ کسی نے روٹی چھوڑ دی.......... کسی نے دوپہر کا کھانا چھوڑ دیا.......... آج کل کی اصطلاح میں اس کو "ڈائیٹنگ" کہتے ہیں یورپ میں اس کا بہت رواج ہے یہ چیز وہاں وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جسم کا وزن کم ہو جائے اور خاص طور پر خواتین میں اس کا اتنا رواج ہے کہ گولیاں کھا کھا کر وزن کم کرنے کی کوششیں کرتی ہیں اور بعض اوقات اس میں مر بھی جاتی ہیں" اس کے بعد وہ ڈاکٹر لکھتا ہے کہ میرے نزدیک وزن کم کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی نہ تو کسی وقت کا کھانا

مستقل چھوڑے.......... نہ روٹی کم کرے بلکہ ساری عمر اس کو معمول بنالے کہ جتنی بھوک ہے اس سے تھوڑا سا کم کھا کر کھانا بند کر دے اس کے بعد اس ڈاکٹر نے بعینہ یہ بات لکھی ہے کہ جس وقت کھانا کھاتے ہوئے یہ تردد ہو جائے کہ کھانا کھاؤں یا نہ کھاؤں.......... اس وقت کھانا چھوڑ دے.......... جو شخص اس پر عمل کرے گا اس کو کبھی بدن بڑھنے کی اور معدے کے خراب ہونے کی شکایت نہیں ہو گی اور نہ اس کو ڈائٹنگ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی یہی بات حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کئی سال پہلے لکھ چکے تھے۔ اب چاہو تو وزن کم کرنے کی خاطر اس پر عمل کر لو.......... چاہو تو اللہ کو راضی کرنے کی خاطر اس مشورے پر عمل کر لو۔ لیکن اگر نفس کے علاج کے طور پر اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کرو گے تو اس کام میں اجر و ثواب بھی ملے گا اور وزن بھی کم ہو جائے گا۔ اور اگر صرف وزن کم کرنے کی خاطر کرو گے تو شائد وزن تو کم ہو جائے لیکن اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

مہمان سے باتیں کرنا سنت ہے

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے۔ وہ باتیں بہت کرتے تھے.......... جب کبھی آتے تو بس ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیتے اور رکنے کا نام نہ لیتے۔ ہمارے سب بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص مہمان بن کر ملنے کے لئے آتا تو اس کا اکرام کرتے اس کی بات سنتے اور حتی الامکان اس کی تشفی کی کوشش کرتے یہ کام ایک معروف آدمی کے لئے بڑا مشکل ہے.......... جن لوگوں کی زندگی مصروفیات سے بھری ہو وہ جان سکتے ہیں کہ یہ کام کتنا مشکل ہے۔ لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپؐ سے کوئی شخص ملنے کے لئے آتا اور آپؐ سے بات کرنا شروع کرتا تو آپ اس کی طرف سے کبھی منہ نہیں موڑتے تھے.......... جب تک وہ خود ہی منہ نہ موڑے.......... اس کی بات سنتے

رہتے تھے.......... چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ "حتی یکون ھو المنصرف" (شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حتی کہ وہ خود ہی نہ چلا جائے.......... یہ کام بڑا مشکل ہے.......... اس لئے کہ بعض لوگ لمبی بات کرنے کے عادی ہوتے ہیں.......... ان کی پوری بات پوری توجہ سے سننا ایک مشکل کام ہے.......... لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی وجہ سے ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ آنے والے کی بات سنتے.......... اس کی تشفی کرتے۔

(اصلاحی خطبات جلد ۲)

عبرت آموز واقعہ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک واقعہ سنایا کہ بچپن میں جب میں چھوٹا سا بچہ تھا.......... اپنے ایک بھائی کے ساتھ کھیل رہا تھا اور دیو بند ہندوستان میں اس زمانے کے بچوں کے کھیل آج کل کے بچوں کی طرح نئے نئے کھیل تو تھے نہیں.......... ایسے ہی چھوٹے چھوٹے کھیل ہوا کرتے تھے.......... یہ سرکنڈے ہوتے ہیں اس کے چھوٹے چھوٹے پورے بنا کر اس سے بچے کھیلا کرتے تھے۔ ایک بچے نے اپنا پورا نیچے کی طرف لڑکایا.......... دوسرے بچے نے بھی لڑکایا.......... جس کا پورا پہلے پہنچ گیا وہ جیت گیا اور وہ دوسرے سے ایک پورا لے لیتا تھا۔ فرمایا کہ میں یہ کھیل ایک مرتبہ اپنے بھائی کے ساتھ کھیل رہا تھا.......... بہت سارے پورے لے کر آیا وہ بھی لیکر آئے تھے.......... اب جب کھیلنا شروع کیا تو جب بھی میں اپنا پورا لڑکاتا ہوں تو میرا پورا پیچھے رہ جاتا ہے.......... بھائی کا پورا آگے بڑھ جاتا ہے اور ہر مرتبہ وہ مجھ سے ایک پورا لے لیتے.......... یہاں تک کہ جتنے پورے لے کر آیا تھا وہ سارے ایک ایک کر کے ختم ہو گئے.......... اب میرے پاس کوئی پورا نہیں اور بھائی جتنے پورے لائے تھے ان کے پاس اس سے دوگنے ہو گئے.......... فرماتے ہیں

کہ جب میں سارے کے سارے پورے ہار گیا مجھے آج تک یاد ہے کہ مجھے اتنا شدید صدمہ اور اتنا غم ہوا اور میں اس پر اتنا رویا کہ اس کے بعد اس سے بڑے سے بڑے نقصان پر اتنا صدمہ نہیں ہوا.......... اور یہ سمجھا کہ آج تو میری کائنات لٹ گئی.......... آج تو میری دنیا تباہ ہو گئی.......... یہ صدمہ اس وقت اتنا ہو رہا تھا کہ کسی بڑی سے بڑی جائیداد کے لٹ جانے پر بھی نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ آج جب سوچتا ہوں کہ کس بات پر رویا تھا.......... کس بات پر صدمہ ہوا تھا.......... کس بات پر اتنا غم کیا تھا.......... ان معمولی.......... بے حقیقت.......... بے قیمت پوروں کے چھن جانے سے اتنا صدمہ ہو رہا تھا تو آج اس واقعہ کو یاد کر کے ہنسی آتی ہے۔ کتنی حماقت کی بات تھی.......... کتنی بے وقوفی کی بات تھی.......... پھر فرمایا اب ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہم بے وقوف تھے.......... بچے تھے.......... عقل نہیں تھی.......... اس واسطے اس بے حقیقت چیز کے کھو جانے پر اتنا صدمہ کر رہے تھے اس لئے اب اس پر ہنستے ہیں لیکن اب سمجھتے ہیں کہ اب عقل آگئی ہے کہ وہ پورے بے حقیقت تھے.......... در حقیقت یہ روپے.......... پیسے.......... یہ بنگلے.......... یہ جائیدادیں.......... یہ کاریں یہ ہیں اصل چیز کہ جن کو انسان حاصل کرے لیکن فرماتے ہیں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس آخرت میں پہنچ جائیں گے تو اس وقت پتا چلے گا کہ یہ تمام چیزیں جن کے اوپر دنیا میں لڑ رہے تھے یہ زمین.......... یہ جائیداد.......... یہ دولت.......... یہ کوٹھیاں.......... یہ بنگلے.......... یہ کاریں.......... یہ ساری کی ساری ایسی بے حقیقت تھیں جیسے کہ وہ سرکنڈے کے پورے.......... اور جس طرح آج اس بات پر ہنس رہے ہیں کہ پوروں کے چھن جانے سے افسوس ہو رہا تھا اسی طرح اس وقت ان کی حقیقت معلوم ہو گی کہ جو کوٹھیاں ہم بنایا کرتے تھے.......... جائیدادوں پر.......... زمینوں پر اور مال و دولت کی بنیاد پر جھگڑتے اور اکڑتے اور دنیا میں ان چیزوں کو دولت سمجھا کرتے تھے.......... یہ حقیقی

دولت نہیں تھی......... حقیقت میں دولت یہ اعمال حسنہ تھے جو جنت میں لے جانے والے ہیں۔

دوسروں کی جوتیاں سیدھی کرنا

ایک صاحب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی مجلس میں آیا کرتے تھے ایک دن مفتی صاحبؒ نے دیکھا کہ انہوں نے خود اپنی مرضی سے مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کرنے شروع کر دیئے اس کے بعد سے ہر دفعہ وہ آکر پہلے مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کرتے اور پھر مجلس میں بیٹھتے مفتی صاحبؒ نے کئی دفعہ ان کو یہ کام کرتے دیکھا تو ایک دن ان کو منع کر دیا کہ یہ کام مت کیا کرو پھر بعد میں بتایا کہ بات دراصل یہ تھی کہ یہ بے چارہ یہ سمجھا تھا کہ میرے اندر تکبر ہے اور اس تکبر کا علاج اپنی رائے سے تجویز کر لیا کہ لوگوں کے جوتے سیدھے کروں گا تو اس سے میرا تکبر دور ہو جائے گا تو مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس علاج سے فائدہ ہونے کے بجائے اس کو الٹا نقصان ہوتا......... اس لئے کہ جب جوتے سیدھے کرنے شروع کئے تو دل و دماغ میں یہ بات پیدا ہوتی کہ میں نے تو اپنے آپ کو مٹا دیا......... میں نے تو تواضع کی حد کر دی کہ لوگوں کے جوتے سیدھے کرنے شروع کر دیئے اس سے مزید خود پسندی پیدا ہوتی اس لئے اسے روک دیا کہ تمہارا کام یہ نہیں اور اس کے لئے دوسرا علاج تجویز فرمایا اب بتایئے......... بظاہر دیکھنے میں جو شخص دوسروں کے جوتے سیدھے کر رہا ہے وہ......... متواضع معلوم ہو رہا ہے لیکن جاننے والا جانتا ہے کہ یہ کام حقیقت میں تکبر پیدا کر رہا ہے......... تواضع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ لہذا نفس کے اندر اتنے باریک نکتے ہیں کہ آدمی خود سے اندازہ نہیں لگا سکتا......... جب تک کہ کسی باطنی امراض کے ماہر سے رجوع نہ کرے اور وہ نہ بتائے کہ تمہارا یہ عمل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی حد کے اندر ہے یا نہیں؟ وہی بتا سکتا ہے کہ اس حد

تک درست ہے اور اس حد سے باہر یہ عمل درست نہیں۔

میرے والد ماجد اور دنیا کی محبت

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی ذات میں ہمیں شریعت اور طریقت کے بے شمار نمونے دکھائی دیئے۔ اگر ہم ان کو نہ دیکھتے تو یہ بات سمجھ میں نہ آتی کہ سنت کی زندگی کیسی ہوتی ہے؟ انہوں نے دنیا میں رہ کر سب کام کیئے.......... درس و تدریس انہوں نے کی.......... فتوے انہوں نے لکھے.......... تصنیف انہوں نے کی.......... وعظ و تبلیغ انہوں نے کی.......... پیری مریدی انہوں نے کی.......... اور ساتھ ساتھ اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے عیالداری کے حقوق ادا کرنے کے لئے تجارت بھی کی.......... لیکن یہ سب ہوتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ان کے دل میں دنیا کی محبت ایک رائی کے دانے کے برابر بھی داخل نہیں ہوئی۔

دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے

ساری عمر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول دیکھا کہ جب کبھی کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں بلاوجہ آپ سے جھگڑا شروع کرتا تو مفتی صاحبؒ اگرچہ حق پر ہوتے لیکن ہمیشہ آپ کا یہ معمول دیکھا کہ آپ اس سے فرماتے ارے بھائی! جھگڑا چھوڑو اور یہ چیز لے جاؤ اپنا حق چھوڑ دیتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا کرتے تھے کہ "میں اس شخص کو جنت کے اطراف میں گھر دلانے کا ذمہ دار ہوں.......... جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے" مفتی صاحب کو ساری عمر اس حدیث پر عمل کرتے دیکھا.......... بعض اوقات ہمیں یہ تردد ہوتا کہ آپ حق پر تھے.......... اگر اصرار کرتے تو حق مل بھی جاتا لیکن آپ چھوڑ کر الگ ہو جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا عطا فرمائی اور ایسے لوگوں کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے۔ جیسا کہ حدیث

شریف میں آتا ہے "یعنی جو شخص ایک مرتبہ اس دنیا کی طلب سے منہ پھیرے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دنیا ذلیل کر کے لاتے ہیں.......... وہ دنیا اس کے پاؤں سے لگی پھرتی ہے لیکن اس کے دل میں اس کی محبت نہیں ہوتی۔ (ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الھم بالدنی، حدیث ۴۱۵۷)

حضرت والد صاحبؒ کی مجلس میں میری حاضری

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس اتوار کے دن ہوا کرتی تھی اس لئے کہ اس زمانے میں اتوار کی سرکاری چھٹی ہوا کرتی تھی۔ یہ آخری مجلس کا واقعہ ہے اس کے بعد حضرت والد صاحبؒ کی کوئی مجلس نہیں ہوئی.......... بلکہ اگلی مجلس کا دن آنے سے پہلے ہی حضرت والاؒ کا انتقال ہو گیا چونکہ والد صاحبؒ بیمار اور صاحب فراش تھے۔ اس لئے آپ کے کمرے میں ہی لوگ جمع ہو جایا کرتے تھے۔ والد صاحب چارپائی پر ہوتے.......... لوگ سامنے نیچے اور صوفوں پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اس روز لوگ بہت زیادہ آئے اور کمرہ پورا بھر گیا حتیٰ کہ کچھ لوگ کھڑے بھی ہو گئے اور مجھے حاضری میں تاخیر ہوئی۔ میں ذرا دیر سے پہنچا.......... حضرت والد صاحبؒ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا.......... تم یہاں میرے پاس آجاؤ میں ذرا جھجکنے لگا کہ لوگوں کو پھلانگتا ہوا اور چیرتا ہوا جاؤں گا اور حضرت والد صاحبؒ کے پاس جا کر بیٹھوں گا.......... اگرچہ یہ بات ذہن میں مستحضر تھی کہ جب بڑا کوئی بات کہے تو مان لینی چاہئے لیکن میں ذرا ہچکچا رہا تھا.......... حضرت والد صاحب نے میری ہچکچاہٹ دیکھی تو دوبارہ فرمایا.......... تم یہاں آجاؤ تمہیں ایک قصہ سناؤں۔ خیر میں کسی طرح وہاں پہنچ گیا اور حضرت والد صاحب کے پاس بیٹھ گیا۔

حضرت تھانویؒ کی مجلس میں والد صاحبؒ کی حاضری

والد صاحبؒ فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مجلس ہو رہی تھی اور وہاں اسی طرح کا قصہ پیش آیا کہ جگہ تنگ ہو گئی اور بھر گئی اور میں ذرا تاخیر سے پہنچا تو حضرت والاؒ نے فرمایا تم یہاں میرے پاس آجاؤ.......... میں کچھ جھجکنے لگا کہ حضرتؒ کے بالکل پاس جا کر بیٹھ جاؤں.......... تو حضرت والا نے دوبارہ فرمایا کہ تم یہاں آجاؤ پھر میں تمہیں ایک قصہ سناؤں گا۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پھر میں کسی طرح پہنچ گیا اور حضرت والا کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

(اصلاحی خطبات جلد ۳)

یہ گناہ حقیقت میں آگ ہیں

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ" یہ اس طرح کہا جا رہا ہے جیسے آگ سامنے نظر آ رہی ہے حالانکہ اس وقت کوئی آگ بھڑکتی ہوئی نظر نہیں آ رہی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ جتنے گناہ ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہیں.......... یہ سب حقیقت میں آگ ہیں۔ چاہے دیکھنے میں یہ گناہ لذیذ اور خوش منظر معلوم ہو رہے ہوں لیکن حقیقت میں یہ سب آگ ہیں اور یہ دنیا جو گناہوں سے بھری ہوئی ہے وہ ان گناہوں کی وجہ سے جہنم بنی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں گناہوں سے مانوس ہو کر ہماری حس مٹ گئی ہے.......... اس لئے گناہوں کی ظلمت اور آگ محسوس نہیں ہوتی ورنہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ صحیح حس عطا فرماتے ہیں اور ایمان کا نور عطا فرماتے ہیں ان کو یہ گناہ واقعتاً آگ کی شکل میں نظر آتے ہیں یا ظلمت کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

یہ دنیا گناہوں کی آگ سے بھری ہوئی ہے

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا جو گناہوں کی آگ

سے بھری ہوئی ہے.......... اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی کمرے میں گیس بھر گئی ہو.......... اب وہ گیس حقیقت میں آگ ہے.......... صرف دیا سلائی لگانے کی دیر ہے.......... ایک دیا سلائی دکھاؤ گے تو پورا کمرہ آگ سے دہک جائے گا.......... اسی طرح یہ بد اعمالیاں.......... یہ گناہ جو معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے ہیں.......... حقیقت میں آگ ہیں.......... صرف ایک صور پھونکنے کی دیر ہے.......... جب صور پھونکا جائے گا تو یہ معاشرہ آگ سے دہک جائے گا.......... ہمارے یہ برے اعمال بھی در حقیقت جہنم ہیں.......... ان سے اپنے آپ کو بچاؤ اور اپنے اہل و عیال کو بھی بچاؤ۔

دل کی سوئی اللہ کی طرف

والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب دیکھا جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا کہ "حضرت.......... میں اپنے دل کی یہ کیفیت محسوس کرتا ہوں کہ جس طرح قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف رہتی ہے۔ اسی طرح اب میرے دل کی یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ چاہے کہیں پر بھی کام کر رہا ہوں.......... چاہے مدرسے میں ہوں یا گھر میں.......... دکان پر ہوں یا بازار میں ہوں.......... لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل کی سوئی تھانہ بھون کی طرف ہے" اب ہم لوگ اس کیفیت کو اس وقت تک کیا سمجھ سکتے ہیں جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل سے ہم لوگوں کو عطا نہ فرمادے لیکن کوشش اور مشق سے یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے.......... اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس ہوتا رہے تو پھر آہستہ آہستہ یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے کہ زبان سے دل لگی کی باتیں ہو رہی ہیں مگر دل کی سوئی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ کیفیت عطا فرمادے۔ آمین

رات اللہ کی عظیم نعمت ہے

مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نیند کا نظام ایسا بنا دیا ہے کہ سب کو ایک ہی وقت نیند کی خواہش ہوتی ہے......... ورنہ اگر یہ ہوتا کہ ہر شخص نیند کے معاملے میں آزاد ہے کہ جس وقت چاہے وہ سو جائے تو اب یہ ہوتا کہ ایک آدمی کا صبح آٹھ بجے سونے کو دل چاہ رہا ہے......... ایک آدمی کا بارہ بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے ایک آدمی کا چار بجے سونے کو دل چاہ رہا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک آدمی سونا چاہ رہا ہے اور دوسرا آدمی اپنے کام میں لگا ہوا ہے اور اس کے سر پر کھٹ کھٹ کر رہا ہے......... تو اب صحیح طور پر نیند نہیں آئے گی......... بے آرامی رہے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام ایسا بنا دیا کہ ہر انسان کو......... جانوروں کو......... پرندوں کو......... چرندوں کو......... درندوں کو ایک ہی وقت میں نیند آتی ہے۔ مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک وقت میں سونے کے نظام کے لئے کوئی بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی؟ اور ساری دنیا کے نمائندوں کو بلا کر مشورہ کیا گیا تھا کہ کون سے وقت سویا کریں اگر انسان کے اوپر اس معاملے کو چھوڑا جاتا تو انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ پوری دنیا کا نظام اس طرح بنا دیتا کہ ہر آدمی اس وقت سو رہا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہر ایک کے دل میں خود بخود یہ احساس ڈال دیا کہ یہ رات کا وقت سونے کا ہے اور نیند کو ان پر مسلط کر دیا۔ سب اس ایک وقت میں سو رہے ہیں اس لئے قرآن کریم میں فرمایا کہ "وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا" (سورہ الانعام، ۹۶) کہ رات کو سکون کا وقت بنایا......... دن کو معیشت کے لئے اور زندگی کے کاروبار کے لئے بنایا......... اس لئے یہ نیند اللہ تعالیٰ کی عطا ہے......... بس اتنی بات ہے کہ اس کی عطا سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کو ذرا سا یاد کر لو کہ یہ عطا کس کی طرف سے ہے......... اور اس کا شکر ادا کر لو اور اس کے سامنے حاضری کا احساس کر

لو.......... یہ ان ساری تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاد تھے حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب قدس اللہ سرہ بڑے اونچے درجے کے بزرگ تھے اور حضرت میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور جاکر بیٹھ گیا تو حضرت میاں صاحب کہنے لگے کہ بھائی دیکھو مولوی شفیع صاحب آج ہم عربی میں بات کریں گے.......... اردو میں بات نہیں کریں گے۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرانی ہوئی.......... اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا.......... آج بیٹھے بٹھائے یہ عربی میں بات کرنے کا خیال کیسے آیا۔ میں نے پوچھا حضرت کیا وجہ ہے؟ حضرت نے فرمایا.......... نہیں بس ویسے ہی خیال آگیا کہ عربی میں بات کریں گے۔ جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جب ہم دونوں مل کر بیٹھتے ہیں تو بہت باتیں چل پڑتی ہیں.......... ادھر ادھر کی گفتگو شروع ہو جاتی ہے.......... اور اس کے نتیجے میں ہم لوگ بعض اوقات غلط باتوں کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں.......... مجھے یہ خیال ہوا کہ اگر ہم عربی میں بات کرنے کا اہتمام کریں تو عربی نہ تمہیں روانی کے ساتھ بولنی آتی ہے اور نہ مجھے بولنی آتی ہے.......... لہذا کچھ تکلف کے ساتھ عربی میں بولنا پڑے گا.......... تو اس کے نتیجے میں یہ زبان جو بے محابا چل رہی ہے.......... یہ قابو میں آجائے گی اور پھر بلا ضرورت فضول گفتگو نہ ہو گی.......... صرف ضرورت کی بات ہو گی۔

زبان پر تالہ ڈال لو

ایک صاحب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت

میں آیا کرتے تھے لیکن کوئی اصلاحی تعلق قائم نہیں کیا تھا.......... بس ویسے ہی ملنے کے لئے آجایا کرتے تھے.......... اور جب باتیں شروع کرتے تو پھر رکنے کا نام نہ لیتے.......... ایک قصہ بیان کیا.......... وہ ختم ہوا تو دوسرا قصہ سنانا شروع کر دیا.......... حضرت والد صاحب برداشت کرتے رہتے تھے۔ ایک روز انہوں نے حضرت والد صاحب سے درخواست کی کہ میں آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت والد صاحب نے قبول کر لیا اور اجازت دیدی.......... اس کے بعد انہوں نے کہا کہ حضرت مجھے کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے بتا دیں.......... میں کیا پڑھا کروں؟ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ تمہارا ایک ہی وظیفہ ہے اور وہ یہ کہ اس زبان پر تالہ ڈال لو اور یہ زبان جو ہر وقت چلتی رہتی ہے.......... اس کو قابو میں کرو.......... تمہارے لئے اور کوئی وظیفہ نہیں ہے.......... چنانچہ انہوں نے جب زبان کو قابو میں کیا.......... تو اسی کے ذریعہ ان کی اصلاح ہو گئی۔

مشترکہ کارنامہ کو بڑے کی طرف منسوب کرنا

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ روزانہ جب قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے تو تلاوت کے دوران ہی قرآن کریم کی آیتوں میں تدبر بھی کیا کرتے تھے کبھی کبھی ہم لوگوں میں سے کوئی یا حضرت کے خدام میں سے کوئی موجود ہوتا تو جو بات تلاوت کے دوران ذہن میں آتی اس کے بارے میں اس کے سامنے ارشاد بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے میں قریب بیٹھا ہوا تھا جب اس آیت پر پہنچے "واذیرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل" تو تلاوت روک کر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک عجیب اسلوب اختیار فرمایا.......... اللہ تعالیٰ یوں بھی فرما سکتے تھے "واذیرفع ابراھیم واسماعیل القواعد من البیت"

(البقرہ ۱۲۷) یعنی اس وقت یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل دونوں بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان نہیں فرمایا بلکہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لے کر جملہ مکمل کر دیا کہ اس وقت کو یاد کرو کہ جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیلؑ بھی اسحٰق علیہ السلام کا آخر میں علیحدہ ذکر فرمایا۔ والد صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس عمل میں برابر کے شریک تھے........... پتھر اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں سے بیت اللہ کی تعمیر فرما رہے تھے لیکن اس کے باوجود قرآن کریم نے اس تعمیر کو براہ راست حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا پھر والد صاحب نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ اگر کوئی بڑا اور چھوٹا دونوں مل کر ایک کام انجام دے رہے ہوں تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کام کو بڑے کی طرف منسوب کیا جائے اور اس کے ساتھ چھوٹے کا ذکر یوں کیا جائے کہ چھوٹا بھی اس کے ساتھ موجود تھا........... نہ یہ کہ چھوٹا اور بڑے دونوں کو ہم مرتبہ قرار دے کر دونوں کی طرف اس کام کو برابر منسوب کر دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ اور ادب

اس بات کو حضرت والد صاحبؒ نے ایک اور واقعہ کے ذریعہ سمجھایا........... فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول تو یہ تھا کہ عشاء کے بعد زیادہ کسی کام میں مشغول نہیں ہوتے تھے آپ فرماتے تھے کہ عشاء کے بعد قصے کہانیاں کہنا........... اور زیادہ فضول گوئی میں مشغول رہنا اچھی بات نہیں ہے تاکہ صبح کی نماز پر اثر نہ پڑے لیکن ساتھ ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عشاء کے بعد حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کے معاملوں میں مشورہ فرمایا کرتے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا......... دیکھئے جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کا تذکرہ فرمایا تو یوں نہیں کہا کہ مجھ سے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کرتے تھے بلکہ فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا یہ ہے چھوٹے کا ادب کہ جب چھوٹا کسی بڑے کے ساتھ کوئی کام کر رہا ہو تو وہ کام اپنی طرف منسوب نہ کرے بلکہ بڑے کی طرف منسوب کرے کہ بڑے نے یہ کام کیا اور میں بھی ان کے ساتھ تھا لہذا قرآن کریم نے بھی وہی اسلوب اختیار کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور اسماعیل علیہ السلام بھی ان کے ساتھ شامل تھے......... یہاں تعمیر بیت اللہ کی اصل نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی اور اسماعیل علیہ السلام کو ان کے ساتھ شامل کیا گیا۔

ملک الموت سے مکالمہ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے ایک واقعہ سنا کہ کسی شخص کی ملک الموت سے ملاقات ہو گئی اس شخص نے شکایت کی کہ آپ کا بھی عجیب معاملہ ہے......... دنیا میں کسی کو پکڑا جاتا ہے تو دنیا کی عدالتوں کا قانون یہ ہے کہ پہلے اس کے پاس نوٹس بھیجتے ہیں کہ تمہارے خلاف یہ مقدمہ قائم ہو گیا ہے......... تم اس کی جواب دہی کے لئے تیاری کرو......... لیکن آپ کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ جب چاہتے ہیں......... بغیر نوٹس کے آدھمکتے ہیں بیٹھے بٹھائے پہنچ جاتے ہیں اور روح قبض کر لی......... یہ کیا معاملہ ہے ؟ ملک الموت نے جواب دیا کہ میاں میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ دنیا میں کوئی اتنے نوٹس نہیں بھیجتا......... لیکن میں کیا کروں......... تم میرے نوٹس کا نوٹس نہیں لیتے......... اس کی پرواہ نہیں کرتے......... ارے جب تمہیں بخار آتا ہے......... وہ میرا نوٹس ہوتا ہے......... جب تمہیں کوئی بیماری آتی

ہے......... وہ میرا نوٹس ہوتا ہے......... جب تمہارے سفید بال آتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے......... تمہارے پوتے آتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے......... میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ کوئی حدو حساب نہیں......... مگر تم کان ہی نہیں دھرتے بہر حال اس لئے حضور اقدسؐ فرمارہے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ حسرت کا وقت آئے خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھال لو اور اس صحت کے وقت کو اور اس فراغت کے وقت کو کام میں لے آؤ......... خدا جانے کل کیا عالم پیش آئے؟

حضرت مفتی صاحبؒ اور وقت کی قدر

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے وقت کو تول تول کر خرچ کرتا ہوں تاکہ کوئی لمحہ بیکار نہ جائے۔ یا دین کے کام میں گزرے یا دنیا کے کام میں گزرے اور دنیا کے کام میں بھی اگر نیت صحیح ہو تو وہ بھی بالآخر دین ہی کا کام بن جاتا ہے۔ اور ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات تو ہے ذرا شرم کی سی......... لیکن تمہیں سمجھانے کے لئے کہتا ہوں کہ جب انسان بیت الخلا میں بیٹھا ہوتا ہے تو وہ وقت ایسا ہے کہ اس میں نہ تو انسان ذکر کر سکتا ہے......... اس لئے کہ ذکر کرنا منع ہے اور نہ ہی کوئی اور کام کر سکتا ہے اور میری طبیعت ایسی بن گئی ہے کہ جو وقت وہاں بیکاری میں گزرتا ہے وہ بہت بھاری ہوتا ہے کہ اس میں کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے اس وقت کے اندر میں بیت الخلا کے لوٹے کو دھو لیتا ہوں تاکہ یہ وقت بھی کسی کام میں لگ جائے اور تاکہ جب دوسرا آدمی آکر اس لوٹے کو استعمال کرے تو اس کو گندا اور برا معلوم نہ ہو اور فرمایا کرتے تھے کہ پہلے سے سوچ لیتا ہوں کہ فلاں وقت میں مجھے پانچ منٹ ملیں گے......... اس پانچ منٹ میں کیا کام کرنا ہے؟ یا کھانا کھانے کے فوراً بعد پڑھنا لکھنا مناسب نہیں ہے بلکہ دس منٹ کا وقفہ ہونا چاہئے تو میں پہلے سے سوچ کر رکھتا ہوں کہ کھانے کے بعد دس منٹ فلاں کام

میں صرف کرنے ہیں......... چنانچہ اس وقت وہ کام کر لیتا ہوں۔ جن حضرات نے میرے والد ماجد رحمۃ اللہ کی زیارت کی ہے......... انہوں نے دیکھا ہو گا کہ آپ کار کے اندر سفر بھی کر رہے ہیں اور قلم بھی چل رہا ہے اور بلکہ میں نے تو ان کو رکشہ کے اندر دوران سفر بھی لکھتے ہوئے دیکھا ہے......... جس میں جھٹکے بھی بہت لگتے ہیں......... اور ایک جملہ بڑے کام کا ارشاد فرمایا کرتے تھے جو سب سے زیادہ یاد رکھنے کا ہے فرماتے تھے کہ دیکھو جس کام کو فرصت کے انتظار میں رکھا وہ ٹل گیا......... وہ کام پھر نہیں ہو گا......... کام کرنے کا راستہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو زبردستی اس کے اندر داخل کر دو تو وہ کام ہو جائے گا۔

مقبرے سے آواز آرہی ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نظم پڑھنے کے قابل ہے جو اصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام سے ماخوذ ہے۔ اس نظم کا عنوان ہے "مقبرے کی آواز" جیسا کہ ایک شاعرانہ تخیل ہوتا ہے کہ ایک قبر کے پاس سے گزر رہے ہیں تو وہ قبر والا گزرنے والے کو آواز دے رہا ہے چنانچہ وہ نظم اس طرح شروع کی ہے۔

مقبرے پر گزرنے والے سن
ٹھہر، ہم پر گزرنے والے سن
ہم بھی اک دن زمیں پہ چلتے تھے
باتوں باتوں میں ہم مچلتے تھے

یہ کہہ کر اس نے زبان حال سے اپنی داستان سنائی ہے کہ ہم بھی اس دنیا کے فرد تھے......... تمہاری طرح کھاتے پیتے تھے......... لیکن ساری زندگی میں ہم نے جو کچھ کمایا......... اس میں سے ایک ذرہ بھی ہمارے ساتھ نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو کچھ نیک عمل کرنے کی توفیق ہو گئی

تھی........... وہ تو ساتھ آگیا........... لیکن باقی کوئی چیز ساتھ نہیں آئی...........
اس لئے وہ گزرنے والے کو نصیحت کر رہا ہے کہ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم فاتحہ کو ترستے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ آکر ہم پر فاتحہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب کر دے اور اے گزرنے والے تجھے ابھی تک زندگی کے یہ لمحات میسر ہیں جنہیں ہم ترس رہے ہیں۔

گزری ہوئی عمر کا مرثیہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ نے اپنی عمر کے ۳۰ سال گزرنے کے بعد ساری عمر اس پر عمل فرمایا کہ جب عمر کے کچھ سال گزر جاتے تو ایک مرثیہ کہا کرتے تھے عام طور پر لوگوں کے مرنے کے بعد ان کا مرثیہ کہا جاتا ہے لیکن میرے والد صاحب اپنا مرثیہ خود کہا کرتے تھے اور اس کا نام رکھتے تھے "مرثیہ عمر رفتہ" یعنی گزری ہوئی عمر کا مرثیہ۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں فہم عطا فرمائیں تب یہ بات سمجھ میں آئے کہ واقعہ یہی ہے کہ جو وقت گزر گیا........... وہ اب واپس آنے والا نہیں........... اس لئے اس پر خوشی منانے کا موقع نہیں ہے بلکہ آئندہ کی فکر کرنے کا موقع ہے کہ بقیہ زندگی کا وقت کس طریقے سے کام میں لگ جائے۔ آج ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ بے قیمت چیز وقت ہے........... اس کو جہاں چاہا کھو دیا اور برباد کر دیا۔ کوئی قدر و قیمت نہیں........... گھنٹے........... دن........... مہینے بے فائدہ کاموں میں اور فضولیات میں گزر رہے ہیں جس میں نہ تو دنیا کا فائدہ........... نہ دین کا فائدہ۔

ایک تاجر کا انوکھا نقصان

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کے پاس ایک تاجر آیا کرتے تھے۔ ان کی بہت بڑی تجارت تھی۔ ایک مرتبہ وہ آکر کہنے لگے کہ حضرت کیا عرض کروں........... کوئی دعا فرما دیں بہت نقصان ہو گیا ہے........... والد صاحبؒ

فرماتے ہیں کہ ذرا تفصیل تو بتاؤ کہ کس قسم کا نقصان ہوا؟ کس طرح ہوا؟ جب انہوں نے اس نقصان کی تفصیل بتائی تو معلوم ہوا کہ کروڑوں کا ایک سودا ہونے والا تھا......... وہ نہیں ہو پایا......... بس اس کے علاوہ جو لاکھوں پہلے سے آرہے تھے......... وہ اب بھی آرہے ہیں۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی لیکن ایک سودا جو ہونے والا تھا وہ نہیں ہوا۔ اس کے نہ ہونے کے بارے میں بتایا کہ یہ بہت زبردست نقصان ہو گیا۔ اس واقعہ کے بیان کے بعد والد صاحب فرماتے کہ کاش وہ یہ بات دین کے بارے میں بھی سوچ لیتا کہ......... اگر میں اس وقت کو ڈھنگ کے کام میں لگاتا تو اس کے ذریعہ دین کا اور آخرت کا اتنا بڑا فائدہ اٹھاتا......... وہ رہ گیا......... جس کی وجہ سے یہ نقصان ہو گیا۔

(اصلاحی خطبات جلد ۴)

دستر خوان جھاڑنے کا صحیح طریقہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم دیو بند میں ایک استاد تھے۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو "حضرت میاں صاحب" کے نام سے مشہور تھے......... بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے......... ان کی باتیں سن کر صحابہ کرام کے زمانے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کھانے کا وقت ہے۔ آؤ کھانا کھاؤ میں نے ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے دستر خوان کو لپیٹنا شروع کیا......... تاکہ میں جا کر دستر خوان جھاڑ دوں......... تو حضرت میاں صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا کہ حضرت دستر خوان جھاڑنے جا رہا ہوں۔ حضرت میاں صاحب نے پوچھا کہ دستر خوان جھاڑنا آتا ہے؟ میں نے کہا حضرت......... دستر خوان جھاڑنا کونسا فن یا علم ہے......... جس کے لئے باقاعدہ تعلیم کی ضرورت ہو......... باہر جا

کر جھاڑ دوں گا۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ اسی لئے تو میں نے تم سے پوچھا تھا کہ دستر خوان جھاڑنا آتا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ تمہیں دستر خوان جھاڑنا نہیں آتا۔ میں نے کہا پھر آپ سکھا دیں.......... فرمایا کہ ہاں دستر خوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے۔

پھر آپ نے اس دستر خوان کو دوبارہ کھولا اور اس دستر خوان پر جو بوٹیاں یا بوٹیوں کے ذرات تھے.......... ان کو ایک طرف کیا۔ اور ہڈیوں کو جن پر کچھ گوشت وغیرہ لگا ہوا تھا.......... ان کو ایک طرف کیا.......... اور روٹی کے ٹکڑوں کو ایک طرف کیا.......... اور روٹی کے جو چھوٹے چھوٹے ذرات تھے.......... ان کو ایک طرف جمع کیا.......... پھر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو۔ یہ چار چیزیں ہیں.......... اور میرے یہاں ان چاروں چیزوں کی علیحدہ علیحدہ جگہ مقرر ہے.......... یہ جو بوٹیاں ہیں ان کی فلاں جگہ ہے.......... بلی کو معلوم ہے کہ کھانے کے بعد اس جگہ بوٹیاں رکھیں جاتی ہیں.......... وہ آکر ان کو کھا لیتی ہے.......... اور ان ہڈیوں کے لئے فلاں جگہ مقرر ہے.......... محلے کے کتوں کو وہ جگہ معلوم ہے وہ آکر ان کو کھا لیتے ہیں اور یہ جو روٹیوں کے ٹکڑے ہیں ان کو میں اس دیوار پر رکھتا ہوں یہاں پرندے چیل.......... کوے آتے ہیں وہ ان کو اٹھا کر کھا لیتے ہیں پھر فرمایا یہ سب اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں جانا چاہیے حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ دستر خوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے اور اس کو بھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مفتی صاحب اور روضہ اقدس کی زیارت

میرے والد صاحبؒ جب روضہ اقدس پر حاضر ہوتے تو کبھی روضہ اقدس کی جالی تک پہنچ ہی نہیں پاتے تھے.......... بلکہ ہمیشہ یہ دیکھا کہ جالی کے سامنے ایک ستون ہے.......... اس ستون سے لگ کر کھڑے ہو جاتے اور جالی کا بالکل سامنا نہیں کرتے تھے.......... بلکہ وہاں اگر کوئی آدمی کھڑا ہوتا تو اس کے

پیچھے جا کر کھڑے ہو جاتے اور ایک دن خود ہی فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید تو بڑا شقی القلب آدمی ہے۔ یہ اللہ کے بندے ہیں جو جالی کے قریب تک پہنچ جاتے ہیں اور قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جتنا بھی قرب حاصل ہو جائے وہ نعمت ہی نعمت ہے.......... لیکن میں کیا کروں کہ میرا قدم آگے بڑھتا ہی نہیں۔ شاید کچھ شقاوت قلب ہے.......... فرماتے ہیں کہ وہاں کھڑے کھڑے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا مگر اس کے بعد فوراً یہ محسوس ہوا جیسا کہ روضہ اقدس سے یہ آواز آرہی ہے کہ "جو شخص ہماری سنتوں پر عمل کرتا ہے.......... وہ ہم سے قریب ہے.......... خواہ ہزاروں میل دور ہو.......... اور جو شخص ہماری سنتوں پر عمل نہیں کرتا.......... وہ ہم سے دور ہے چاہے وہ ہماری جالیوں سے چمٹا ہوا ہو۔

ریل میں زائد نشست پر قبضہ کرنا جائز نہیں

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب قدس اللہ سرہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ تم ریل گاڑی میں سفر کرتے ہو۔ تم نے ڈبے میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہو گا کہ اس ڈبے میں ۲۲ مسافروں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اب آپ نے پہلے جا کر تین چار نشستوں پر قبضہ کر لیا اور اپنے لئے خاص کر لیا اور اس پر بستر لگا کر لیٹ گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ سوار ہوئے ان کو بیٹھنے کے لئے سیٹ نہیں ملی.......... اب وہ کھڑے ہیں اور آپ لیٹے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ یہ بھی "قرآن" میں داخل ہے جو ناجائز ہے.......... اس لئے تمہارا حق تو صرف اتنا تھا کہ ایک آدمی کی نشست پر بیٹھ جاتے.......... لیکن جب آپ نے کئی نشستوں پر قبضہ کر لیا اور دوسروں کے حق کو پامال کیا تو اس عمل کے ذریعہ تم نے دو گناہ کیئے.......... ایک یہ کہ تم نے صرف ایک سیٹ کا ٹکٹ خریدا تھا.......... پھر جب تم نے اس سے زیادہ سیٹوں پر قبضہ کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیسے دیئے بغیر تم نے

اپنے حق سے زیادہ پر قبضہ کر لیا دوسرا گناہ یہ کیا کہ دوسرے مسلمان بھائیوں کی سیٹ پر قبضہ کر لیا اور ان کا حق پامال کیا.......... اس طرح اس عمل کے ذریعہ دو گناہوں کے مرتکب ہوئے.......... پہلے گناہ کے ذریعے اللہ کا حق پامال ہوا.......... دوسرے گناہ کے ذریعے بندے کا حق پامال ہوا۔

زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی بیٹھ کر پینا افضل ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی تھی کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینا ہی افضل ہے.......... اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی بیٹھ کر پینا افضل ہے.......... البتہ عذر کے مواقع پر جس طرح عام پانی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے اسی طرح زمزم کا پانی دیا گیا تو ایک دم سے کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر اس کو پیا.......... اتنا اہتمام کر کے کھڑے ہو کر پینے کی ضرورت نہیں بلکہ بیٹھ کر پینا چاہئے.......... وہی افضل ہے۔

دال اور خشکے میں نورانیت

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار یہ واقعہ سنا کہ دیوبند میں ایک صاحب گھسیارے تھے.......... یعنی گھاس کاٹ کر بازار میں فروخت کرتے اور اس کے ذریعہ اپنا گزر بسر کرتے تھے اور ایک ہفتہ میں ان کی آمدنی چھ پیسے ہوتی تھی.......... اکیلے آدمی تھے اور اس آمدنی کو وہ اس طرح تقسیم کرتے تھے کہ اس میں سے دو پیسے اپنے کھانے وغیرہ پر خرچ کرتے تھے اور دو پیسے اللہ کی راہ میں صدقہ کیا کرتے تھے اور دو پیسے جمع کیا کرتے تھے اور ایک دو ماہ کے بعد جب کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے جو بڑے بڑے بزرگ اساتذہ تھے.......... ان کی دعوت کیا کرتے تھے اور دعوت میں خشک چاول ابال لیتے.......... اور اس کے ساتھ دال پکا لیتے اور اساتذہ کو کھلا دیتے تھے۔ میرے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس

وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمیں پورے مہینے ان صاحب کی دعوت کا انتظار رہتا ہے......... اس لئے کہ ان صاحب کے خشکے اور دال کی دعوت میں جو نورانیت محسوس ہوتی ہے......... وہ نورانیت پلاؤ اور بریانی کی بڑی بڑی دعوتوں میں محسوس نہیں ہوتی۔

میزبان کو تکلیف دینا گناہ کبیرہ ہے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کو اپنے قول یا فعل سے تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے جیسے شراب پینا......... چوری کرنا......... زنا کرنا......... گناہ کبیرہ ہے لہذا اگر تم نے اپنے کسی عمل سے میزبان کو تکلیف دی تو یہ ایذاء مسلم ہوئی یہ سب گناہ کبیرہ ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور تواضع

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ رابسن روڈ کے مطب میں میں بیٹھا ہوا تھا......... اس وقت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ مطب کے سامنے سے اس حالت میں گزرے کہ ان کے دائیں طرف کوئی آدمی تھا......... اور نہ بائیں طرف......... بس اکیلے جا رہے تھے اور ہاتھ میں کوئی برتن اٹھایا ہوا تھا......... حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت کچھ لوگ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے......... میں نے ان سے پوچھا یہ صاحب جو جارہے ہیں......... آپ ان کو جانتے ہیں کہ یہ کون صاحب ہیں؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ یہ پاکستان کا "مفتی اعظم" ہے؟ جو ہاتھ میں پتیلی لئے جارہا ہے۔ اور ان کے لباس و پوشاک سے......... انداز و ادا سے......... چال ڈھال سے کوئی پتہ بھی نہیں لگا سکتا کہ یہ اتنے بڑے علامہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور مبشرات

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیسیوں افراد نے خواب دیکھے مثلاً خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی......... اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے والد ماجدؒ کی شکل میں دیکھا......... یہ اور اس قسم کے دوسرے خواب بے شمار افراد نے دیکھے......... چنانچہ جب لوگ اس قسم کے خواب لکھ کر بھیجتے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو اپنے پاس محفوظ رکھ لیتے......... اور ایک رجسٹر جس پر یہی عنوان تھا "مبشرات" یعنی خوشخبری دینے والے خواب......... اس رجسٹر میں نقل کرا دیتے تھے......... لیکن اس رجسٹر کے پہلے صفحے پر اپنے قلم سے یہ نوٹ لکھا تھا کہ۔

"اس رجسٹر میں ان خوابوں کو نقل کر رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے میرے بارے میں دیکھے ہیں۔ اس غرض سے نقل کر رہا ہوں کہ بہر حال......... یہ مبشرات ہیں......... فال نیک ہیں......... اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری اصلاح فرما دے۔ لیکن میں سب پڑھنے والوں کو متنبہ کر رہا ہوں کہ آگے جو خواب ذکر کئے جا رہے ہیں یہ ہرگز مدار فضیلت نہیں......... اور ان کی بنیاد پر میرے بارے میں فیصلہ نہ کیا جائے......... بلکہ اصل مدار بیداری کے افعال و اقوال ہیں......... لہٰذا اس کی وجہ سے آدمی دھوکے میں نہ پڑے"

یہ آپ نے اس لئے لکھ دیا کہ کوئی پڑھ کر دھوکہ نہ کھائے۔ بس یہ حقیقت ہے خواب کی۔ بس جب انسان اچھا خواب دیکھے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے حق میں باعث برکت بنا دے۔ لیکن اس کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا نہ ہو......... نہ دوسرے کے بارے میں......... اور نہ اپنے بارے میں بس......... خواب کی حقیقت اتنی ہی

ہے.......... اسی خواب سے متعلق دو تین احادیث اور ہیں۔ جن کے بارے میں اکثر و بیشتر لوگوں کو معلومات نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے غلط فہمی میں پڑے رہتے ہیں۔

زبردستی کان میں باتیں ڈال دیں

میں آج سوچتا ہوں کہ حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ.......... حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ.......... اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ.......... ان تینوں بزرگوں سے میرا تعلق رہا ہے.......... اپنا حال تو تباہ ہی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی خدمت میں حاضری کی توفیق عطا فرمادی.......... یہ ان کا فضل و کرم تھا.......... اب ساری عمر بھی اس پر شکر ادا کروں.......... تب بھی ادا نہیں ہو سکتا.......... یہ بزرگ کچھ باتیں زبردستی کانوں میں ڈال گئے.......... اپنی طرف سے جن کی نہ تو طلب تھی اور نہ خواہش اور اگر میں ان باتوں کو اب نمبر وار لکھنا چاہوں جو ان بزرگوں کی مجلسوں میں سنی تھیں.......... تو فوری طور پر سب کا یاد آنا مشکل ہے.......... لیکن کسی نہ کسی موقع پر وہ باتیں یاد آجاتی ہیں۔ اور بزرگوں سے تعلق کا یہ ہی فائدہ ہوتا ہے.......... اور جس طرح بزرگوں کی خدمت میں حاضری نعمت ہے.......... اور ان کی بات سننا نعمت ہے۔ اسی طرح ان بزرگوں کے ملفوظات۔ حالات۔ سوانح پڑھنا بھی اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے.......... آج یہ حضرات موجود نہیں ہیں۔ مگر الحمدللہ سب باتیں لکھی ہوئی چھوڑ گئے ہیں۔ ان کو مطالعہ میں رکھنا چاہئے۔ یہ باتیں کام آجاتی ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور ملکیت کی وضاحت

میں نے اپنے والد قدس اللہ سرہ کو بھی اسی طرح دیکھا کہ ہر چیز میں ملکیت واضح کر دینے کا معمول تھا۔ آخری عمر میں حضرت والد صاحب نے اپنے

کمرے میں ایک چارپائی ڈال لی تھی۔ دن رات وہیں رہتے تھے ہم لوگ ہر وقت حاضر رہتے تھے میں نے دیکھا کہ جب میں ضرورت کی کوئی چیز دوسرے کمرے سے ان کے کمرے میں لاتا تو ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً فرماتے کہ اس چیز کو واپس لے جاؤ۔ اگر کبھی واپس لے جانے میں دیر ہو جاتی تو ناراض ہوتے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ واپس پہنچا دو ابھی تک واپس کیوں نہیں پہنچائی؟

کبھی کبھی ہمارے دل میں خیال آتا کہ ایسی جلدی واپس لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی واپس پہنچا دیں گے ایک دن خود والد صاحب نے ارشاد فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنے وصیت نامہ میں لکھ دیا ہے کہ میرے کمرے میں جو چیزیں ہیں وہ سب میری ملکیت ہیں۔ اور اہلیہ کے کمرے میں جو چیزیں ہیں وہ ان کی ملکیت ہیں لہذا جب میرے کمرے میں کسی دوسرے کی چیز آجاتی ہے تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا انتقال اس حالت میں ہو جائے کہ وہ چیز میرے کمرے کے اندر ہو اس لئے کہ وصیت نامہ کے مطابق وہ چیز میری ملکیت تصور کی جائے گی حالانکہ حقیقت میں وہ چیز میری ملکیت نہیں ہے۔ اس لئے میں اس بات کا اہتمام کرتا ہوں اور تمہیں کہتا ہوں کہ یہ چیز جلدی واپس لے جاؤ۔

یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں۔ آج ہم نے ان کو دین سے خارج کر دیا ہے اور یہی باتیں بڑوں سے سیکھنے کی ہیں اور یہ سب باتیں اسی اصول سے نکل رہی ہیں جو اصول حضورؐ نے اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے "وہ یہ کہ" "قران" سے بچو۔

مشترک چیزوں کے استعمال کا طریقہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ گھر میں بعض اشیاء مشترک استعمال کی ہوتی ہیں جس کو گھر کا ہر فرد استعمال کرتا ہے اور ان کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے کہ فلاں چیز فلاں جگہ رکھی جائے گی مثلاً گلاس فلاں جگہ رکھا

جائے گا پیالہ فلاں جگہ رکھا جائے گا صابن فلاں جگہ رکھا جائے گا ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ ان چیزوں کو استعمال کر کے بے جگہ رکھ دیتے ہو تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا یہ عمل گناہ کبیرہ ہے اس لئے کہ وہ چیز مشترک استعمال کی ہے جب دوسرے شخص کو اس کے استعمال کی ضرورت ہو گی تو وہ اس کو اس کی جگہ پر تلاش کرے گا اور جب جگہ پر اس کو وہ چیز نہیں ملے گی تو اس کو تکلیف اور ایذاء ہو گی اور کسی بھی مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے ہمارا ذہن کبھی اس طرف گیا بھی نہیں تھا کہ یہ بھی گناہ کی بات ہے ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ تو دنیا داری کا کام ہے۔ گھر کا انتظامی معاملہ ہے یاد رکھو زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں دین کی کوئی ہدایت موجود نہ ہو ہم سب اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا ہم لوگ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ مشترک استعمال کی اشیاء استعمال کے بعد ان کی متعین جگہ پر رکھیں تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو؟ اب یہ چھوٹی سی بات ہے۔ جس میں ہم صرف بے دھیانی اور بے توجہی کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں دین کی فکر نہیں، دین کا خیال نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا احساس نہیں، دوسرے اس لئے کہ ان مسائل سے جہالت اور ناواقفیت بھی آج کل بہت ہے۔

بہر حال یہ سب باتیں "قران" کے اندر داخل ہیں۔ ویسے تو یہ چھوٹی سی بات ہے کہ دو کھجوروں کو ایک ساتھ ملا کر نہ کھانا چاہئے۔ لیکن اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہر وہ کام کرنا، جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف ہو، یا دوسروں کا حق پامال ہو، سب "قران" میں داخل ہیں۔

غیر مسلموں نے اسلامی اصول اپنا لئے

ایک مرتبہ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ کے ساتھ ڈھاکہ کے سفر پر گیا۔ ہوائی جہاز کا سفر تھا، راستے میں مجھے غسل خانے میں جانے کی

ضرورت پیش آئی، آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہوائی جہاز کے غسل خانے میں واش بیسن کے اوپر یہ عبارت لکھی ہوتی ہے کہ "جب آپ واش بیسن کو استعمال کر لیں تو اس کے بعد کپڑے سے اس کو صاف اور خشک کر دیں۔ تاکہ بعد میں آنے والے کو کراہیت نہ ہو" جب میں غسل خانے سے واپس آیا تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ غسل خانے مین واش بیسن پر جو عبارت لکھی ہے یہ وہی بات ہے جو میں تم لوگوں سے بار بار کہتا رہتا ہوں کہ دوسروں کو تکلیف سے بچانا دین کا حصہ ہے۔ جواب غیر مسلموں نے اختیار کر لیا ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ترقی عطا فرما دی ہے، اور ہم لوگوں نے ان باتوں کو دین سے خارج کر دیا ہے، اور دین کو صرف نماز روزے کے اندر محدود کر دیا ہے۔ معاشرت کے ان آداب کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم لوگ پستی اور تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے۔ اس میں جیسا عمل اختیار کرو گے اللہ تعالیٰ اس کے ویسے ہی نتائج پیدا فرمائیں گے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا مذاق

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور کہا حضرت! مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے جس کی برکت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ نے فرمایا بھائی، تم بڑے حوصلہ والے آدمی ہو کہ تم اس بات کی تمنا کر رہے ہو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے، ہمیں تو یہ حوصلہ نہیں ہوتا کہ یہ تمنا بھی کریں، اس لئے کہ ہم کہاں؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کہاں؟ اور اگر زیارت ہو جائے تو اس کے آداب، اس کے حقوق اور اس کے تقاضے کس طرح پورے کریں گے، اس لئے خود اس کے حاصل کرنے کی نہ تو کوشش کی اور نہ کبھی اس قسم کے عمل

سیکھنے کی نوبت آئی جس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خود ہی زیارت کرادیں تو یہ ان کا انعام ہے، اور جب خود کرائیں گے تو پھر اس کے آداب کی بھی توفیق بخشیں گے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی عظیم قربانی

ہم نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی پوری زندگی میں اس حدیث پر عمل کرنے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے، جھگڑا ختم کرنے کی خاطر بڑے سے بڑا حق چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ ان کا ایک واقعہ سناتا ہوں جس پر آج لوگوں کو یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ دارالعلوم جو اس وقت کورنگی میں قائم ہے، پہلے نانک واڑہ میں ایک چھوٹی سی عمارت میں قائم تھا، جب کام زیادہ ہوا تو اس کے لئے وہ جگہ تنگ پڑ گئی وسیع اور کشادہ جگہ کی ضرورت تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ایسی مدد ہوئی کہ بالکل شہر کے وسط میں حکومت کی طرف سے ایک بہت بڑی اور کشادہ جگہ مل گئی، جہاں آج کل اسلامیہ کالج قائم ہے۔ جہاں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی ہے۔ یہ کشادہ جگہ دارالعلوم کراچی کے نام الاٹ ہو گئی، اس زمین کے کاغذات مل گئے، قبضہ مل گیا۔ اور ایک کمرہ بھی بنادیا گیا۔ ٹیلی فون بھی لگ گیا۔ اس کے بعد دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھتے وقت ایک جلسہ تاسیس منعقد ہوا۔ جس میں پورے پاکستان کے بڑے بڑے علماء حضرات تشریف لائے۔ اس جلسہ کے موقع پر کچھ حضرات نے جھگڑا کھڑا کر دیا کہ یہ جگہ دارالعلوم کو نہیں ملنی چاہئے تھی۔ بلکہ فلاں کو ملنی چاہئے تھی۔ اتفاق سے جھگڑے میں ان لوگوں نے ایسے بعض بزرگ ہستیوں کو بھی شامل کر لیا، جو حضرت والد صاحب کے لئے باعث احترام تھیں۔ والد صاحب نے پہلے تو یہ کوشش کی یہ جھگڑا کسی طرح ختم ہو جائے لیکن وہ ختم نہیں ہوا۔ والد صاحب نے یہ سوچا کہ جس مدرسے کا آغاز ہی جھگڑے سے ہو رہا ہے تو اس مدرسے میں کیا برکت ہو گی؟ چنانچہ والد صاحب

نے اپنا یہ فیصلہ سنادیا کہ میں اس زمین کو چھوڑتا ہوں۔

مجھے اس میں برکت نظر نہیں آتی

دارالعلوم کی مجلس منتظمہ نے یہ فیصلہ سنا تو انہوں نے حضرت والد صاحب سے کہا کہ حضرت! یہ آپ کیسا فیصلہ کر رہے ہیں؟ اتنی بڑی زمین، وہ بھی شہر کے وسط میں، ایسی زمین ملنا بھی مشکل ہے۔ اب جبکہ یہ زمین آپ کو مل چکی ہے۔ آپ کا اس پر قبضہ ہے۔ آپ ایسی زمین کو چھوڑ کر الگ ہو رہے ہیں؟ حضرت والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میں مجلس منتظمہ کو اس زمین کے چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتا۔ اس لئے کہ مجلس منتظمہ در حقیقت اس زمین کی مالک ہو چکی ہے آپ حضرات اگر چاہیں تو مدرسہ بنالیں میں اس میں شمولیت اختیار نہیں کرونگا۔ اس لئے کہ جس مدرسے کی بنیاد جھگڑے پر رکھی جارہی ہو۔ اس مدرسے میں مجھے برکت نظر نہیں آتی۔ پھر حدیث سنائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے میں اس کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔ آپ حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ شہر کے بیچوں بیچ ایسی زمین کہاں ملے گی۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں اس کو جنت کے بیچ میں گھر دلواؤنگا۔ یہ کہہ کر اس زمین کو چھوڑ دیا۔ آج کے دور میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے کوئی شخص اس طرح جھگڑے کی وجہ سے اتنی بڑی زمین چھوڑ دے۔ لیکن جس شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل یقین ہے۔ وہی یہ کام کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ چند ہی مہینوں کے بعد اس زمین سے کئی گنا بڑی زمین عطا فرمادی۔ جہاں آج دارالعلوم قائم ہے۔ یہ تو میں نے آپ حضرات کے سامنے ایک مثال بیان کی ورنہ حضرت والد صاحب کو ہم نے ساری زندگی حتی الامکان اس حدیث پر عمل کرتے دیکھا۔ ہاں البتہ جس جگہ دوسرا شخص جھگڑے کے اندر پھانس ہی لے اور دفاع کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو الگ بات ہے۔ ہم

لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لیکر بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں موقع پر فلاں شخص نے یہ بات کہی تھی۔ فلاں نے ایسا کیا تھا اب ہمیشہ کے لئے اس کو دل میں بٹھا لیا اور جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ آج ہمارے پورے معاشرے کو اس چیز نے تباہ کر دیا ہے۔ یہ جھگڑا انسان کے دین کو مونڈ دیتا ہے اور انسان کے باطن کو تباہ کر دیتا ہے اس لئے خدا کے لئے آپ جھگڑوں کو ختم کر دو اور اگر دو مسلمان بھائیوں میں جھگڑا دیکھو تو ان کے درمیان صلح کرانے کی پوری کوشش کرو۔

ایک بزرگ کا نصیحت آموز واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کہ ایک اللہ والے بزرگ کہیں جا رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا.......... جس طرح آج کل صوفی اور سیدھے سادے مولوی کا لوگوں مذاق اڑاتے ہیں.......... بہر حال.......... مذاق کرنے کے لئے ایک شخص نے ان بزرگ سے پوچھا کہ یہ بتایئے کہ آپ اچھے ہیں یا میرا کتا اچھا ہے؟ اس سوال پر ان بزرگ کو نہ غصہ آیا، نہ طبیعت میں کوئی تغیر اور تکدر پیدا ہوا، اور جواب میں فرمایا کہ ابھی تو میں نہیں بتا سکتا کہ میں اچھا ہوں یا تمہارا کتا اچھا ہے اس لئے کہ پتہ نہیں کس حالت میں میرا انتقال ہو جائے۔ اگر ایمان اور عمل صالح پر میرا خاتمہ ہو گیا تو میں اس صورت میں تمہارے کتے سے اچھا ہوں گا۔ اور اگر خدا نہ کرے میرا خاتمہ برا ہو گیا تو یقیناً تمہارا کتا مجھ سے اچھا ہے۔ اس لئے کہ وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ اور اس کو کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا.......... اللہ کے بندوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ خاتمے پر نگاہ رکھتے ہیں اسی لئے فرمایا کہ کسی بد سے بد تر انسان کی ذات کو حقیر مت خیال کرو۔ نہ اس کو برا کہو۔ اس کے اعمال کو بیشک برا کہو کہ وہ شراب پیتا ہے، وہ کفر میں مبتلا ہے، لیکن ذات کو برا کہنے کا جواز نہیں۔ جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ انجام کیا ہونے والا ہے۔

نرمی سے سمجھانا چاہئے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کی اصلاح کے لئے بھیجا اور فرعون کون تھا؟ خدائی کا دعویدار تھا........ جو یہ کہتا تھا کہ اَنَاَ رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (النازعات ۲۴) یعنی میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں.......... گویا کہ وہ فرعون بدترین کافر تھا لیکن جب یہ دونوں پیغمبر فرعون کے پاس جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا. یعنی "تم دونوں فرعون کے پاس جاکر نرم بات کہنا" شاید کہ وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہو سکتے.......... اور تمہارا مقابل فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہو سکتا........ چاہے وہ کتنا ہی بڑا فاسق و فاجر اور مشرک ہو اس لئے کہ وہ تو خدائی کا دعویدار تھا۔ اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا جارہا ہے کہ جب فرعون کے پاس جاؤ تو ذرا نرمی سے بات کرنا۔ سختی سے بات مت کرنا۔ اس کے ذریعے ہمارے لئے قیامت تک یہ پیغمبرانہ طریقہ کار مقرر فرما دیا کہ جب بھی کسی سے دین کی بات کہیں تو نرمی سے کہیں.......... سختی سے نہ کہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور تفسیر قرآن کریم

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عمر کے ستر بہتر سال دین کے علوم پڑھنے پڑھانے میں گزارے.......... آخر عمر میں جاکر "معارف القرآن" کے نام سے تفسیر تالیف فرمائی۔ اس کے بارے میں آپ مجھ سے بار بار فرماتے تھے کہ معلوم نہیں کہ میں اس قابل تھا کہ تفسیر پر قلم اٹھاتا.......... میں تو حقیقت میں تفسیر کا اہل نہیں ہوں لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کو میں نے آسان الفاظ

میں تعبیر کر دیا ہے......... ساری عمر یہ فرماتے رہے کہ بڑے بڑے علماء تفسیر پر کلام کرتے ہوئے تھراتے رہے۔

آمدنی اختیار میں نہیں خرچ اختیار میں ہے

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے آمدنی بڑھانا انسان کے اختیار میں نہیں اور خرچ کرنا انسان کے اختیار میں ہے۔ لہذا خرچ کم کر کے قناعت اختیار کر لو۔ انشاء اللہ کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ پریشانی اس لئے ہوتی ہے کہ تم نے پہلے سے اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنا لیا کہ اتنی آمدنی ہونی چاہئے......... جب اتنی آمدنی نہیں ہوئی تو اب پریشانی شروع ہو گئی۔ لیکن اگر تم نے اپنا خرچ کم کر کے اپنی زندگی کو سادہ بنا لیا اور اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیا اور یہ سوچ لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کم دیا ہے تو کم پر گزارہ کر لوں گا اور اگر زیادہ دیا ہے تو اس کے مطابق گزارہ کر لوں گا اور اس کے نتیجے میں اپنی آمدنی پر مطمئن ہو گئے تو پھر بس راحت اور عیش کی زندگی گزرے گی۔ اس کا نام "قناعت" ہے۔

ٹیلی فون پر لمبی بات کرنا

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اب ایذاء رسانی کا ایک آلہ بھی ایجاد ہو چکا ہے......... وہ ہے "ٹیلیفون" یہ ایک ایسا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ جتنا چاہو دوسرے کو تکلیف پہنچا دو چنانچہ آپ نے کسی کو ٹیلی فون کیا اور اس سے لمبی گفتگو شروع کر دی اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ شخص اس وقت کسی کام کے اندر مصروف ہے......... اس کے پاس وقت ہے یا نہیں......... میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے "معارف القرآن" میں یہ بات لکھی ہے کہ ٹیلی فون کرنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ اگر کسی سے لمبی بات کرنی ہو تو پہلے اس سے پوچھ لو کہ مجھے ذرا لمبی بات کرنی ہے......... چار پانچ منٹ لگیں گے......... اگر آپ اس وقت فارغ ہوں تو ابھی بات کر لوں اور

اگر فارغ نہ ہوں تو کوئی مناسب وقت بتا دیں.......... اس وقت بات کر لوں گا۔ سورہ نور کی تفسیر میں یہ آداب لکھے ہیں.......... دیکھ لیا جائے اور خود حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

یہ گناہ کبیرہ ہے

ایک دن ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جو حرکت کرتے ہو کہ ایک چیز اٹھا کر دوسری جگہ ڈال دی.......... یہ بد اخلاقی تو ہے ہی.......... اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کبیرہ بھی ہے.......... اس لئے کہ اس عمل کے ذریعے مسلمان کو تکلیف پہنچانا ہے اور ایذاء مسلم گناہ کبیرہ ہے۔ اس دن ہمیں پتہ چلا کہ یہ بھی دین کا حکم ہے اور یہ بھی گناہ کبیرہ ہے ورنہ اس سے پہلے اس کا احساس بھی نہیں تھا۔

میرے والد ماجد کی میرے دل میں عظمت

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ساری عمر میں ایک دو مرتبہ کے علاوہ کبھی نہیں مارا۔ ایک دو مرتبہ ان کا طمانچہ کھانا یاد ہے لیکن ان کی شخصیت اور عظمت کا حال یہ تھا کہ ان کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے قدم ڈگمگا جاتے تھے کہ ہم کس کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ دل میں یہ خیال تھا کہ کہیں ان کی آنکھوں کے سامنے ہمارا کوئی ایسا عمل نہ آجائے جو ان کی شان، ان کی عظمت، اور ان کے ادب کے خلاف ہو.......... جب ایک مخلوق کے لئے دل میں یہ عظمت ہو سکتی ہے تو خالق کائنات جو سب کا خالق اور سب کا مالک ہے اس کے لئے دل میں یہ عظمت ضرور ہونی چاہئے کہ آدمی اس بات سے ڈرے کہ میں اس کے سامنے یہ کرتوت اور یہ گناہ کر کے کیسے کھڑا رہوں گا؟ اور اس کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

یہ کام کس کے لئے تھا؟

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں لگا رہے۔ لوگوں کے نہ ماننے کی وجہ سے چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے، مایوس، ناراض یا غصہ ہو کر نہ بیٹھ جائے کہ میں نے تو بہت سمجھایا لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی.......... لہذا اب میں نہیں کہوں گا.......... ایسا نہ کرے بلکہ یہ سوچے کہ میں نے یہ کام کس کے لئے کیا تھا؟ اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا۔ آئندہ بھی جتنی مرتبہ کروں گا اللہ کو راضی کرنے کے لئے کروں گا اور ہر مرتبہ مجھے کہنے کا اجر و ثواب مل جائے گا۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میرے والد ماجد یعنی (میرے دادا) بیمار تھے۔ دیو بند میں قیام تھا۔ اس وقت دہلی میں ایک حکیم نابینا بہت مشہور تھے۔ اور بہت حاذق اور ماہر حکیم تھے۔ ان کا علاج چل رہا تھا۔ میں دیو بند سے دہلی گیا تاکہ والد صاحب کا حال بتا کر دوا لے لوں۔ چنانچہ میں ان کے مطب میں پہنچا اور حضرت والد صاحب کا حال بتایا اور کہا کہ ان کی دوا دیدیں۔ حکیم صاحب نابینا تھے جب انہوں نے میری آواز سنی تو فرمایا میں تمہارے والد صاحب کی دوا تو بعد میں دوں گا۔ پہلے تم اپنی دوا لو۔ میں نے کہا میں تو ٹھیک ٹھاک ہوں۔ کوئی بیماری نہیں ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ نہیں، یہ تم اپنی دوا لو۔ صبح یہ کھانا، دوپہر یہ کھانا اور شام کو یہ کھانا۔ اور جب ایک ہفتہ کے بعد آؤ تو اپنا حال بیان کرنا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے میری دوا دی۔ اور پھر والد صاحب کی دوا دی۔ جب میں گھر واپس آیا تو والد صاحب کو بتایا کہ حکیم صاحب نے اس طرح مجھے بھی دوا دی ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ جس طرح حکیم صاحب نے فرمایا ہے۔ اسی طرح

کرو اور ان کی دوا استعمال کرو۔ جب ایک ہفتہ کے بعد دوبارہ حکیم صاحب کے پاس گیا تو میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب! اب تک یہ فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا اور نہ کوئی بیماری معلوم ہوئی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ گزشتہ ہفتہ جب تم آئے تھے تمہاری آواز سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ تمہارے پھیپھڑوں میں خرابی ہو گئی ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ کہیں آگے چل کر ٹی بی کی شکل اختیار نہ کر لے۔ اس لئے میں نے تمہیں دوا دی۔ اور اب الحمدللہ تم اس بیماری سے بچ گئے۔ دیکھئے! بیمار کو پتہ نہیں ہے کہ مجھے کیا بیماری ہے۔ اور معالج اور ڈاکٹر کا یہ بتانا کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، یہ اس کا احسان ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ ڈاکٹر نے بیمار بنا دیا، بلکہ اس نے بتا دیا کہ تمہارے اندر یہ بیماری پیدا ہو رہی ہے، تاکہ تم علاج کر لو۔ اب اس بتانے کی وجہ سے ڈاکٹر پر غصہ کرنے اور اس سے ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔

ہوٹل میں زمین پر کھانا کھانا

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن سبق میں ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن میں اور میرے کچھ رفقاء دیوبند سے دہلی گئے جب دہلی پہنچے تو وہاں کھانا کھانے کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ کوئی اور جگہ کھانے کی نہیں تھی اس لئے ایک ہوٹل میں کھانے کے لئے چلے گئے۔ اب ظاہر ہے کہ ہوٹل میں میز کرسی پر کھانے کا انتظام ہوتا ہے اس لئے ہمارے دو ساتھیوں نے کہا ہم تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھائیں گے۔ کیونکہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ چاہا کہ ہوٹل کے اندر زمین پر اپنا رومال بچھا کر وہاں سے بیرے سے کھانا منگوائیں۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں بلکہ میز کرسی ہی پر بیٹھ کر کھانا کھالیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میز کرسی پر کھانا کیوں کھائیں؟ جب زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت کے زیادہ قریب ہے تو پھر زمین پر بیٹھ کر کھانے سے کیوں ڈریں اور کیوں شرمائیں۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ شرمانے اور ڈرنے کی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں اس طرح زمین پر اپنا رومال بچھا کر بیٹھو گے تو لوگوں کے سامنے اس سنت کا تم مذاق بناؤ گے۔ اور لوگ اس سنت کی توہین کے مرتکب ہوں گے اور سنت کی توہین کا ارتکاب کرنا صرف گناہ ہی نہیں بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب پاکستان تشریف لائے تو اس وقت حکومت نے دستور ساز اسمبلی کے ساتھ ایک "تعلیمات اسلامی بورڈ" بنایا تھا۔ حضرت والد صاحب کو بھی اس کا ممبر بنایا گیا۔ یہ بورڈ حکومت ہی کا ایک شعبہ تھا۔ ایک مرتبہ حکومت نے کوئی کام گڑبڑ کر دیا تو حضرت والد صاحب نے اخبار میں حکومت کے خلاف بیان دیدیا کہ حکومت نے یہ کام غلط کیا ہے۔ بعد میں حکومت کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے والد صاحب سے کہا کہ حضرت! آپ تو حکومت کا حصہ ہیں۔ آپ نے حکومت کے خلاف یہ بیان دیدیا؟ حالانکہ آپ "تعلیمات اسلامی بورڈ" کے رکن ہیں۔ اور یہ بورڈ "دستور ساز اسمبلی" کا حصہ ہے۔ حکومت کے خلاف آپ کا یہ بیان دینا مناسب بات نہیں ہے۔ جواب میں حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ رکنیت کسی اور مقصد کے لئے قبول نہیں کی تھی۔ صرف دین کی خاطر قبول کی تھی اور دین کے ایک خادم کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے کہ جو بات میں حق سمجھوں وہ کہہ دوں۔ چاہے وہ بات حکومت کے موافق پڑے یا مخالف پڑے۔ میں اس کا مکلف نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو بات حق ہے وہ واضح کروں۔ رہا رکنیت کا مسئلہ۔ یہ رکنیت کا معاملہ میری ملازمت نہیں ہے۔ آپ حکومت کے خلاف بات کہتے ہوئے ڈریں کیونکہ آپ حکومت کے ایک ملازم افسر ہیں۔ آپ کی تنخواہ دو ہزار روپے ہے۔ اگر یہ ملازمت چھوٹ گئی تو پھر

آپ نے زندگی گزارنے کا جو نظام بنا رکھا ہے وہ نہیں چل سکے گا۔ میرا یہ حال ہے کہ جس دن میں نے رکنیت قبول کی تھی اسی دن استعفیٰ لکھ کر جیب میں ڈال لیا تھا کہ جب کبھی موقع آئے گا پیش کر دوں گا۔ جہاں تک ملازمت کا معاملہ ہے تو مجھ میں آپ میں یہ فرق ہے کہ میرا سر سے پاؤں تک زندگی کا جو خرچہ ہے وہ دو روپے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے اللہ کے فضل و کرم سے میں اس تنخواہ اور اس الاؤنس کا محتاج نہیں ہوں یہ دو روپے کا خرچہ پورا کر لوں گا اور آپ نے اپنی زندگی کو ایسا بنایا ہے کہ دو سو روپے سے کم میں آپ کا سوٹ نہیں بنتا۔ اس وجہ سے آپ حکومت سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ملازمت نہ چھوٹ جائے۔ مجھے الحمدللہ اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔

زبان کے ڈنگ کا ایک قصہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگوں کی زبان میں ڈنگ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جب بھی کسی سے بات کریں گے ڈنگ ماریں گے۔ اور طعنہ اور طنز کی بات کریں گے۔ حالانکہ اس انداز سے بات کرنے سے دل میں گرہیں پڑ جاتی ہیں۔ پھر ایک قصہ سنایا کہ ایک صاحب کسی عزیز کے گھر میں گئے تو دیکھا تو ان کی بہو بہت غصے میں ہے اور زبان سے اپنی ساس کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ اور ساس بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی ان صاحب نے اس کی ساس سے پوچھا کہ کیا بات ہو گئی؟ اتنا غصہ اس کو کیوں آرہا ہے؟ جواب میں ساس نے کہا، بات کچھ بھی نہیں تھی۔ میں نے صرف دو بول بولے تھے، اس کی خطاء میں پکڑی گئی۔ اور اس کے نتیجے میں یہ ناچی ناچی پھر رہی ہے اور غصہ کر رہی ہے۔ ان صاحب نے پوچھا کہ وہ دو بول کیا تھے؟ ساس نے کہا میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ باپ تیرا غلام اور ماں تیری لونڈی، بس اس کے بعد سے یہ ناچی ناچی پھر رہی ہے۔ اب دیکھئے، وہ صرف دو بول تھے۔ لیکن ایسے دو بول تھے جو انسان کے اندر آگ لگانے والے

پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ اور ہمیشہ صاف اور سیدھی بات کہنی چاہئے۔

"ہدیہ" حلال طیب مال ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کا وہ ہدیہ جو خوش دلی اور محبت سے دیا گیا ہو۔ نام و نمود کے لئے نہ دیا گیا ہو۔ وہ ہدیہ کائنات میں سب سے زیادہ حلال اور طیب مال ہے۔ اس لئے کہ جو پیسہ تم نے خود کمایا ہے اس میں اس بات کا امکان ہے کہ کہیں اس مال کے کمانے میں کہ تم سے کوئی زیادتی ہو گئی ہو۔ جس کے نتیجے میں اس کے حلال طیب ہونے میں کمی رہ گئی ہو۔ لیکن اگر ایک مسلمان تمہارے پاس اخلاص و محبت کے ساتھ اور محض اللہ کی خاطر کوئی ہدیہ لے کر آیا ہے۔ اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہدیہ دینے کے اصول مقرر تھے او رہدیہ کی آپ بہت قدر فرمایا کرتے تھے اور باقاعدہ اہتمام کر کے اس کو اپنے کسی مصرف میں خرچ کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ مسلمان کا حلال طیب مال ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر دیا ہے اس لئے یہ مال بڑی برکت والا ہے.......... بہر حال جو ہدیہ اللہ کے لئے دیا جائے وہ دینے والے کے لئے بھی مبارک.......... لینے والے کے لئے بھی مبارک.......... اور جس ہدیہ کا مقصد حرص ہو اور نام و نمود ہو اس میں نہ دینے والے کی لئے برکت، اور نہ لینے والے لئے برکت۔

ڈانٹ ڈپٹ کے وقت رعایت کریں

میرے والد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حقیقت میں ہم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سوائے شفقت اور محبت کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ البتہ بعض اوقات لوگوں کی اصلاح کے

لئے ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ بھی ان رعایتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ بہر حال اگر کوئی چھوٹا ہے اور اس کو ڈانٹنے کی ضرورت پیش آئے تو آدمی کو ان باتوں کی رعایت کرنی چاہئے۔ مثلاً سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھے کہ اس ڈانٹ ڈپٹ سے اپنا غصہ نکالنا مقصود نہ ہو......... بلکہ اصل مقصود اس کی اصلاح اور اس کی تربیت ہو۔ جس کا طریقہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتا دیا کہ عین اشتعال کے وقت کوئی اقدام مت کرو......... بلکہ جب اشتعال ٹھنڈا ہو جائے اس کے بعد سوچ سمجھ کر جتنا غصہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مصنوعی غصہ پیدا کر کے اتنا ہی غصہ کرو......... نہ اس سے کم ہو اور نہ اس سے زیادہ ہو......... لیکن اگر اشتعال کی حالت میں غصہ پر عمل کر لیا تو غصہ قابو سے باہر ہو جائے گا اور تم سے زیادتی ہو جائے گی۔

ایک سبق آموز واقعہ

پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایک قصہ سناتا ہوں......... ایک بہت بڑے محدث اور بزرگ گزرے ہیں......... جو "سلیمان اعمش" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد بھی ہیں۔ تمام احادیث کی کتابیں ان کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں......... عربی زبان میں "اعمش" چندھے کو کہا جاتا ہے۔ جس کی آنکھوں میں چندھیاہٹ ہو......... جس میں پلکیں گر جاتی ہیں اور روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں......... چونکہ ان کی آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں......... اس وجہ سے "اعمش" کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کے پاس ایک شاگرد آگئے۔ وہ شاگرد اعرج یعنی لنگڑے تھے......... پاؤں سے معذور تھے......... شاگرد بھی ایسے تھے جو ہر وقت استاد سے چمٹے رہنے والے تھے......... جیسے بعض شاگردوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وقت استاد سے چمٹے رہتے ہیں۔ جہاں استاد جا رہے ہیں وہاں شاگرد بھی ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔ یہ

بھی ایسے تھے۔ چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب بازار جاتے تو یہ "اعرج" شاگرد بھی ساتھ ہو جاتے......... بازار میں لوگ فقرے کستے کہ دیکھو استاد "چندھا" ہے اور شاگرد "لنگڑا" ہے......... چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ جب ہم بازار جایا کریں تو تم ہمارے ساتھ مت جایا کرو......... شاگرد نے کہا کیوں؟ میں آپ کا ساتھ کیوں چھوڑ دوں؟ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم بازار جاتے ہیں تو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ استاد چندھا ہے اور شاگرد لنگڑا ہے۔ شاگرد نے کہا۔ مالنا نوجر ویاثمون حضرت! جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کو مذاق اڑانے دیں۔ اس لئے کہ اس مذاق اڑانے کے نتیجے میں ہمیں ثواب ملتا ہے اور ان کو گناہ ہوتا ہے۔ اس میں ہمارا تو کوئی نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہے۔ حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا۔

نسلم ویسلمون خیرٌ من ان نوجر ویاثمون۔

ارے بھائی! وہ بھی گناہ سے بچ جائیں اور ہم بھی گناہ سے بچ جائیں......... یہ بہتر ہے اس سے کہ ہمیں ثواب ملے اور ان کو گناہ ہو۔ میرے ساتھ جانا کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں......... اور نہ جانے میں کوئی نقصان بھی نہیں......... البتہ فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس گناہ سے بچ جائیں گے۔ اس لئے آئندہ میرے ساتھ بازار مت جایا کرو۔

یہ ہے دین کی فہم......... اب بظاہر تو شاگرد کی بات صحیح معلوم ہو رہی تھی کہ اگر لوگ مذاق اڑاتے ہیں تو اڑایا کریں لیکن جس شخص کی مخلوق خدا پر شفقت کی نگاہ ہوتی ہے......... وہ مخلوق کی غلطیوں پر اتنی نظر نہیں ڈالتا......... بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ جتنا ہو سکے میں مخلوق کو گناہ سے بچا لوں......... یہ بہتر ہے اس لئے انہوں نے بازار جانا چھوڑ دیا بہر حال......... جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اور زیادہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں گے تو اس

صورت میں کچھ نہ کہنا بہتر ہوتا ہے۔

فتویٰ لکھنے سے پہلے

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح کسی مسئلے کا حکم معلوم کرنا ایک اہم کام ہے۔ اسی طرح فتویٰ نویسی ایک مستقل فن ہے جس کے لئے مفتی کو بہت سی باتوں کی رعایت رکھنی پڑتی ہے۔ مثلاً سب سے پہلے مفتی کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ مستفتی کا سوال قابل جواب ہے یا نہیں؟ اور بعض اوقات سوال کے انداز سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کا مقصد عمل کرنا یا علم میں اضافہ کرنا نہیں.......... بلکہ اپنے کسی مخالف کو زیر کرنا ہے.......... یا حالات ایسے ہیں کہ اس سوال کے جواب سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں استفتاء کے جواب سے گریز کرنا مناسب ہوتا ہے..........
مثلاً ایک مرتبہ سوال آیا کہ ہماری مسجد کے امام صاحب فلاں فلاں آداب کا خیال نہیں رکھتے.......... آیا انہیں ایسا کرنا چاہئے یا نہیں؟ سوال کسی مقتدی کی طرف سے تھا اور اس کے انداز سے حضرت والد صاحب ؒ کو یہ غالب گمان ہو گیا کہ اس استفتاء کا مقصد امام صاحب کو حق کی دعوت دینا یا فہمائش کرنا نہیں.......... بلکہ ان کی تحقیر اور ان کے بعض خلاف احتیاط امور کی تشہیر ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحبؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا یہ سوال تو خود امام صاحب کے پوچھنے کے ہیں" ان سے کہئے کہ وہ تحریراً یا زبانی معلوم فرمالیں اور اس طرح یہ ممکنہ فتنہ فرو ہو گیا۔

فتویٰ کی اہلیت

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ فتویٰ کی اہلیت محض فقہی مسائل کو یاد کرنے یا فقہی کتابوں میں استعداد پیدا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی.......... بلکہ یہ ایک مستقل فن ہے جس کے لئے ماہر مفتی کی صحبت میں

رہ کر باقاعدہ تربیت لینے کی ضرورت ہے.......... اور جب تک کسی نے اس طرح فتویٰ کی تربیت حاصل نہ کی ہو.......... اس وقت تک وہ خواہ دسیوں بار ہدایہ وغیرہ کا درس دے چکا ہو فتوی کا اہل نہیں بنتا۔

فرمایا کہ فلاسفہ نے بہت سی چیزوں کو جو لازم ذات یا لازم ماہیت قرار دیا ہے۔ یہ واقعے کے بالکل خلاف ہے.......... حقیقت میں مخلوقات کی کوئی صفت نہ لازم ذات ہوتی ہے نہ لازم ماہیت.......... اور جس چیز کو فلاسفہ لازم ذات یا لازم ماہیت قرار دیتے ہیں وہ درحقیقت اس ذات یا ماہیت کی وہ صفات عارضہ ہوتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس ذات یا اس ماہیت کے ساتھ اکثر پیدا فرما دیتے ہیں.......... ان کے وجود و عدم میں نہ اس ذات یا ماہیت کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ وہ اس کے لئے ایسی لازم ہوتی ہیں کہ ان کا انفکاک اس ذات یا ماہیت سے ممکن نہ ہو.......... چنانچہ یہ کہنا تو درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ میں احراق کی خاصیت پیدا فرما دی ہے لیکن احراق کو آگ کا لازم ماہیت قرار دینا درست نہیں.......... چنانچہ اگر کسی آگ میں اللہ تعالیٰ احراق کی تخلیق نہ فرمائیں تو آگ کا بغیر احراق کے پایا جانا ممکن ہے.......... جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعے میں ہوا۔ اگر یہ بات ذہن میں رہے تو معجزات میں جو عقلی استبعاد نظر آتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے۔

مشورے کا اصول

حضرت والد صاحبؒ کو خودرائی سے نفرت تھی.......... وہ حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی یہ گرانقدر نصیحت بار بار سنایا کرتے تھے کہ "جب تک تمہارے ضابطے کے بڑے موجود ہوں۔

(اس کے ساتھ ہی حضرت والد صاحبؒ حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد نقل فرماتے تھے کہ میں نے "ضابطے کے بڑے" اس لئے کہا ہے کہ یہ بات تو اس ہی کو معلوم ہے کہ اس کے نزدیک کون بڑا اور کون چھوٹا ہے ؟)

ان سے استصواب کئے بغیر کبھی کوئی اہم کام نہ کرو.......... اور جب ضابطے کے بڑے نہ رہیں تو اپنے معاصرین اور برابر کے لوگوں سے مشورہ کرو.......... اور وہ بھی نہ رہیں تو اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرو۔" چنانچہ ساری عمر والد صاحبؒ کا عمل اسی کے مطابق رہا اور ہم نے تو ان کا وہی زمانہ پایا جس میں ان کے بڑے تقریباً رخصت ہو چکے تھے۔ معاصرین بھی کم تھے اور زیادہ تر چھوٹے ہی تھے.......... لیکن آپ ہر اہم فیصلے سے پہلے جو چھوٹے بڑے میسر ہوں ان سے مشورہ ضرور فرماتے تھے۔

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی دوسرے امام کا قول اختیار کرنے کے لئے چند باتوں کا اطمینان کر لینا ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ واقعتہً مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت متحقق ہے یا نہیں.......... ایسا نہ ہو کہ محض تن آسانی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر لیا جائے.......... اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس اطمینان کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی ایک مفتی خود رائی کے ساتھ یہ فیصلہ نہ کرے.......... بلکہ دوسرے اہل فتویٰ حضرات سے مشورہ کرے.......... اگر وہ بھی متفق ہوں تو اتفاق رائے کے ساتھ ایسا فتویٰ دیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس امام کا قول اختیار کیا جا رہا ہے اس کی پوری تفصیلات براہ راست اس مذہب کے اہل فتویٰ علماء سے معلوم کی جائیں.......... محض کتابوں میں دیکھنے پر اکتفا نہ کیا جائے.......... کیونکہ بسا اوقات اس قول کی بعض ضروری تفصیلات عام کتابوں میں مذکور نہیں ہوتیں اور ان کے نظر انداز کر دینے سے تلفیق کا اندیشہ رہتا ہے۔

اتباع سنت ہی اصل چیز ہے

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جب مدینہ طیبہ جانا ہوتا..........
اور روضہ اقدس پر سلام عرض کرنے کے لئے حاضری ہوتی تو عام معمول یہ تھا

اور روضہ اقدس پر سلام عرض کرنے کے لئے حاضری ہوتی تو عام معمول یہ تھا کہ مواجہہ شریف کی جالیوں سے کافی فاصلے پر ایک ستون کے قریب سراپا ادب بن کر سر جھکائے کھڑے رہتے.......... اور اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں اسی ستون کے قریب کھڑا تھا.......... دل میں شوق پیدا ہوا کہ آگے بڑھ کر مقدس جالیوں کے قریب تک پہنچ جاؤں.......... لیکن ہمت نہ ہوئی.......... اس پر حسرت سی ہونے لگی کہ لوگ آگے تک چلے جاتے ہیں.......... اور میں دور کھڑا ہوں.......... اسی دوران یہ محسوس ہوا کہ روضہ اقدس سے یہ آواز آرہی ہے "کہہ دو کہ جو شخص ہماری سنتوں کا اتباع کرتا ہے.......... وہ ہم سے قریب ہے.......... خواہ بظاہر کتنا دور ہو.......... اور جو شخص ہماری سنت کا متبع نہیں.......... وہ ہم سے دور ہے.......... خواہ وہ ہماری جالیوں سے چمٹ کر کھڑا ہو۔"

حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جو حضرات محض کسی ترک مستحب پر مجمع عام میں روک ٹوک یا ناراضگی کا اظہار شروع کر دیتے ہیں ان کے طرز عمل میں دو غلطیاں ہوتی ہیں.......... ایک تو غیر منکر پر نکیر کرنا.......... دوسرے جس شخص پر روک ٹوک کی جارہی ہے اسے مجمع عام میں رسوا کرنے کا انداز اختیار کرنا اور اللہ بچائے بعض اوقات اس تمام نکیر و ملامت کے پس پشت عجب و پندار اور نفسانیت بھی کار فرما ہوتی ہے جو ایک مستقل گناہ ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو حضرات اس طرز عمل پر کاربند ہوتے ہیں۔ عام طور سے دیکھا یہ ہے کہ دین کے اہم معاملات سے ان کی نگاہیں اوجھل رہتی ہیں۔ آداب و مستحبات بڑے محبوب اعمال ہیں.......... ان پر جتنا وسعت میں ہو.......... عمل کرنا چاہیے.......... اور دوسروں کو پیار محبت سے ان کی ترغیب بھی دینی چاہیے.......... لیکن ان کے ترک پر نکیر و ملامت کا انداز اختیار کرنا درست نہیں۔

حدیث فہمی کا ایک اصول

حضرت والد صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ سے سنا ہوا ایک اور زریں اصول بھی بیان فرماتے تھے۔ جس سے احقر کو بہت سے مسائل میں بہت فائدہ پہنچا۔ اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مختلف اعمال منقول ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض اعمال تو ایسے ہیں جن کے بارے میں روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان کو معمول بنا لیا تھا یا آپؐ سے وہ اعمال کثرت کے ساتھ ثابت ہیں یا آپ نے ان کو کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن بعض اعمال ایسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکاد کا مواقع پر ثابت تو ہیں لیکن ان کو معمول بنا لینا یا ان کا التزام کرنا یا دوسروں کو ان کی ترغیب دینا ثابت نہیں۔ ان قسموں میں سے ہر ایک کو اپنے مقام پر رکھنا چاہیے۔ پہلی قسم کے اعمال کی پابندی کا اہتمام درست اور موافق سنت ہے۔ لیکن دوسری قسم کے اعمال کو ان کے مقام پر رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو اسی طرح کبھی کبھار کر لیا جائے جیسا آپ نے کیا۔ لیکن ان کا مستقل معمول بنا لینا مطلوب نہیں۔

فرمایا کہ "محلہ کوٹلہ سے باہر جنگل میں چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیٹھی ہوئی آپس میں لڑ رہی تھیں ایک دوسرے کو مار رہی تھیں۔ ہم قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ سب مل کر جنگل سے گوبر چن کر لائیں ہیں اور ایک جگہ ڈھیر کر دیا ہے اب اس کی تقسیم کا مسئلہ زیر نزاع ہے حصوں کی کمی بیشی پر لڑنے مارنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اول نظر میں مجھے ہنسی آئی کہ یہ کس گندی اور ناپاک چیز پر لڑ رہی ہیں ہم ان کی کم عقلی اور بچگانہ ذہنیت پر ہنستے ہوئے ان کی لڑائی بند کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ قدرت نے دل میں ڈالا کہ ان کی بے وقوفی پر ہنسنے والے جو دنیا کے مال و اسباب اور جاہ و منصب پر لڑتے ہیں اگر ان کو چشم حقیقت بین نصیب ہو جائے تو وہ یقین کریں گے کہ ان عقلاء زمان اور حکماء وقت کی سب لڑائیاں بھی ان بچیوں کی جنگ سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں فناء

ہو جانے والی اور چند روز میں اپنے قبضہ سے نکل جانے والی یہ سب چیزیں بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں ایک گوبر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔

اتباع شریعت و سنت

جب احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ.......... کی وفات ہوئی تو حضرت کئی روز تک ہم لوگوں کی تسلی کے لئے دارالعلوم تشریف لاتے رہے.......... ایک دن چہرے پر تعب اور نقاہت کے آثار نمایاں تھے.......... برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے احقر سے کہا کہ "حضرت کے لئے گھر سے خمیرہ لے آؤ" احقر نے خمیرہ لے جاکر حضرتؒ کو پیش کیا تو ہاتھ میں لے کر فرمایا "کیا یہ خمیرہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا؟" احقر نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ "اس میں تو تمام ورثا کا حق ہے.......... تنہا آپ کے لئے کسی کو اس کا ہبہ کرنا جائز نہیں" جب احقر نے اطمینان دلایا کہ الحمدللہ.......... تمام ورثا بالغ ہیں.......... اور سب یہیں موجود ہیں.......... جن کی عین خوشی یہ ہے کہ حضرت والا استعمال فرمالیں" تو حضرت نے اسے نوش فرمایا۔

اب یہ وہ مسئلہ ہے جس کی طرف عمل کے وقت آج کل اچھے اچھے علماء اور مفتیوں کی نگاہ بھی کم ہی جاتی ہے.......... لیکن چونکہ شریعت پر عمل طبیعت ثانیہ بن چکا تھا.......... اس لئے عملی ضرورت کے تمام احکام صرف علم میں نہیں.......... بلکہ عمل میں ہر وقت مستحضر رہتے تھے۔

اتباع سنت کا خاص ذوق تھا.......... اور ہر کام میں اس بات کی جستجو رہتی تھی کہ اس میں سنت کا طریقہ معلوم ہو.......... اسی جستجو کے نتیجے میں آپ نے "اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے وہ کتاب تالیف فرمائی جو زندگی کے ہر شعبے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے.......... اور جو اردو کے علاوہ.......... فارسی..........

انگریزی......... سندھی......... پشتو اور نہ جانے کتنی زبانوں میں شاید لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہیں......... اور اللہ تعالیٰ نے اسے عجیب قبول عام عطا فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت والا مغرب سے پہلے اپنے مکان سے دارالعلوم نانک واڑہ میں مجلس منتظمہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے احقر اور برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم بھی ساتھ تھے اجلاس مغرب کے متصل بعد ہونا تھا مغرب کا وقت راستے ہی میں ہو گیا......... اور راستے کی ایک مسجد میں اتر کر مغرب کی نماز پڑھی......... چونکہ نانک واڑہ پہنچنے کی جلدی تھی......... اس لئے سنت مؤکدہ پر اکتفا فرمایا......... اور صلوٰۃ الاوابین پڑھے بغیر روانہ ہو کر نانک واڑہ پہنچ گئے۔ مجلس کے اختتام پر وہیں عشاء کی نماز پڑھی......... نماز کے بعد مسجد سے باہر تشریف لائے اور گاڑی میں بیٹھنے لگے تو احقر سے پوچھا کہ "تقی میاں! آج اوابین کا کیا ہوا؟" احقر نے عرض کیا کہ "حضرت! آج تو جلدی کی وجہ سے وہ رہ گئیں......... فرمایا کہ کیوں رہ گئیں؟ اس وقت نہ پڑھ سکے تھے تو عشا کے بعد پڑھ لیتے......... پھر فرمایا کہ اگرچہ فقہی طور نوافل کی قضا نہیں ہے لیکن ایک سالک کو ایسے موقع پر تلافی کے طور پر جب موقع ملے......... معمول کی نوافل ضرور پڑھ لینی چاہئیں......... خواہ ان کا اصلی وقت گزر گیا ہو.........آج مجھ سے بھی اپنے وقت میں اوابین ادا نہیں ہو سکی تھیں......... لیکن الحمدللہ......... میں نے عشاء کے بعد عشاء کے توابع کے ساتھ چھ رکعات مزید بطور تلافی ادا کیں اور معمولاً ایسا ہی کرتا ہوں......... پھر فرمایا کہ تم نے حدیث میں پڑھا ہو گا کہ اگر کوئی شخص کھانے کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران بھی جب یاد آئے تو بسم اللہ اولہ......... وآخرہ......... پڑھ لینا چاہیئے بس اسی پر دوسری نوافل کو بھی قیاس کر لو۔

باب سوم

عارف باللہ

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ عارفیؒ

کے ارشادات

نفس کو بہلا کر اور دھوکہ دیکر اس سے کام لو

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو ذرا دھوکہ دے کر اس سے کام لیا کرو.......... اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ روزانہ تہجد پڑھنے کا معمول تھا۔ آخر عمر اور ضعف کے زمانے میں ایک دن محمد اللہ تہجد کے وقت جب آنکھ کھلی تو طبیعت میں بڑی سستی اور کسل تھا۔ دل میں خیال آیا کہ آج تو طبیعت بھی پوری طرح ٹھیک نہیں.......... کسل بھی ہے اور عمر بھی تمہاری زیادہ ہے اور تہجد کی نماز کوئی فرض و واجب نہیں ہے.......... پڑے رہو.......... اور اگر آج تہجد چھوڑ دو گے تو کیا ہو جائے گا؟.......... فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ بات تو ٹھیک ہے تہجد فرض واجب نہیں ہے اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے.......... باقی یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا ہے.......... حدیث میں آتا ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اہل زمین پر متوجہ ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا رہتا ہے کہ کوئی مغفرت مانگنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے.......... ایسے وقت کو بیکار گزارنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ نفس کو بہلا دیا کہ اچھا ایسا کرو کہ اٹھ کر بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر تھوڑی سی دعا کر لو اور دعا کر کے سو جانا.......... چنانچہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور دعا کرنی شروع کر دی.......... دعا کرتے کرتے میں نے نفس سے کہا کہ میاں جب تم اٹھ کر بیٹھ گئے تو نیند تو تمہاری چلی گئی اب غسل خانے تک چلے جاؤ اور استنجا وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ.......... پھر آرام سے آکر لیٹ جانا۔ پھر جب غسل خانے پہنچا اور استنجا وغیرہ سے فارغ ہو گیا تو سوچا کہ چلو وضو بھی کر لو اس لئے کہ وضو کر کے دعا کرنے میں قبولیت کی توقع زیادہ ہے چنانچہ وضو کر لیا اور بستر پر آکر بیٹھ گیا اور دعا شروع کر دی..........

پھر نفس کو بہلایا کہ بستر پر بیٹھ کر کیا دعا ہو رہی ہے......... دعا کرنے کی جو تمہاری جگہ ہے وہیں جا کر دعا کر لو اور نفس کو جائے نماز تک کھینچ کر لے گیا اور جا کر جلدی سے دو رکعت تہجد کی نیت باندھ لی......... پھر فرمایا کہ نفس کو تھوڑا سا دھوکہ دے کر بھی لانا پڑتا ہے......... جس طرح یہ نفس تمہارے ساتھ نیک کام کو ٹلانے کا معاملہ کرتا ہے اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو اور اس کو کھینچ کھینچ کر لے جایا کرو ان شاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پھر اس عمل کی توفیق عطا فرما دیں گے.........

رمضان کا دن لوٹ آئے گا

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نقل فرماتے تھے کہ......... ایک شخص رمضان میں بیمار ہو گیا اور بیماری کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیا۔ اب اس کو غم ہو رہا ہے کہ روزہ چھوٹ گیا......... حضرتؒ فرماتے ہیں کہ غم کرنے کی کوئی بات نہیں......... یہ دیکھو کہ تم روزہ کس کے لئے رکھ رہے ہو؟......... اگر یہ روزہ اپنی ذات کے لئے رکھ رہے ہو تو بے شک اس پر صدمہ کرو کہ بیماری آگئی اور روزہ چھوٹ گیا لیکن اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے روزہ رکھ رہے ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ بیماری میں روزہ چھوڑ دو تو مقصود پھر بھی حاصل ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے "لیس من البر الصیام فی السفر" (صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لیس من البر الصوم فی السفر، حدیث ۱۹۴۶) سفر کی حالت میں جبکہ شدید مشقت ہو اس وقت روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں لیکن قضا کرنے کے بعد جب عام دنوں میں روزہ رکھو گے تو اس میں وہ تمام انوار و برکات حاصل ہوں گے جو رمضان کے مہینے میں حاصل ہوتے تھے......... گویا اس شخص کے حق میں رمضان کا دن لوٹ آئے گا اور رمضان کے دن روزہ رکھنے میں جو فائدہ حاصل ہوتا وہ فائدہ اس دن قضا

کرنے میں حاصل ہو جائے گا.......... لہٰذا اگر شرعی عذر کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں تو غمگین ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس وقت میں روزہ چھوڑ دینا اور کھانا پینا ہی اللہ کو پسند ہے۔ اور لوگوں کو روزہ رکھ کر جو ثواب مل رہا ہے تمہیں کھانا کھا کر مل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ وہی انوار و برکات عطا فرما رہے ہیں جو عام روزہ داروں کو عطا فرما رہے ہیں اور پھر جب بعد میں اس روزے کی قضا کرو گے تو قضا کے دن رمضان کی ساری برکتیں اور سارے انوار حاصل ہوں گے.......... گھبرانے کی کوئی بات نہیں..........

وقت کا تقاضا دیکھو

فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ بزرگوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان کی زندگی درست کرنے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ فرماتے تھے میاں! ہر وقت کا تقاضا دیکھو۔ اس وقت کا تقاضا کیا ہے؟ اس وقت مجھ سے مطالبہ کیا ہے؟ یہ نہ سوچو کہ اس وقت میرا کس کام کو دل چاہ رہا ہے۔ دل چاہنے کی بات نہیں بلکہ یہ دیکھو کہ اس وقت تقاضا کس کام کا ہے؟ اس تقاضے کو پورا کرو۔ یہی اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی ہے تم نے تو اپنے ذہن میں بٹھا رکھا تھا کہ روزانہ تہجد پڑھا کروں گا.......... روزانہ اتنے پارے تلاوت کیا کروں گا.......... روزانہ اتنی تسبیحات پڑھا کروں گا.......... اب جب ان کاموں کا وقت آیا تو دل چاہ رہا ہے کہ یہ کام میں پورے کروں اور ذہن پر اس کام کا بوجھ ہے۔ اب عین وقت پر گھر سے بیمار ہو گئے اور اس کے نتیجے میں اس کی تیمارداری.......... علاج اور دوا دارو میں لگنا پڑا اور اس وجہ سے وہ معمول چھوٹنے لگا۔ اس وقت تو میں بیٹھ کر تلاوت کرتا.......... ذکر و اذکار کرتا.......... اب مارا مارا پھر رہا ہوں کہ کبھی ڈاکٹر کے پاس.......... کبھی حکیم کے پاس.......... کبھی دواخانے میں.......... یہ میں کس چکر میں پھنس گیا۔ ارے اللہ تعالیٰ نے جس چکر میں ڈالا.......... اس وقت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کرو.......... اگر اس وقت وہ کام چھوڑ کر تلاوت کرنے بیٹھ جاؤ

گے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اب وقت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام کرو۔ اب اسی میں وہ ثواب ملے گا جو تلاوت کرنے میں ملتا۔ یہ ہے اصل دین۔

(اصلاحی خطبات جلد نمبر ۱)

احسان ہر وقت مطلوب ہے

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ ایک دن فرمانے لگے کہ ایک صاحب میرے پاس آئے اور آکر بڑے فخریہ انداز میں خوشی کے ساتھ کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے "احسان" کا درجہ حاصل ہو گیا ہے "احسان" ایک بڑا درجہ ہے جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر جیسے کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس خیال کے ساتھ عبادت کر کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہے ہیں" (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل حدیث ۵۰) اس کو درجہ احسان کہا جاتا ہے۔ ان صاحب نے حضرت والاؒ سے کہا کہ مجھے "احسان" کا درجہ حاصل ہو گیا ہے............ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو مبارکباد دی کہ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے............ یہ تو بہت بڑی نعمت ہے البتہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو یہ "احسان" کا درجہ صرف نماز میں حاصل ہوتا ہے اور جب بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے ہو اس وقت بھی حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ یعنی بیوی بچوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت بھی آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں؟ یا یہ خیال اس وقت نہیں آتا؟ وہ صاحب جواب میں فرمانے لگے کہ حدیث میں تو صرف عبادت کے متعلق آیا ہے............ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ "احسان" کا تعلق صرف نماز سے ہے............ دوسری چیزوں کے ساتھ "احسان" کا کوئی تعلق نہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے اسی لئے آپ سے یہ سوال کیا تھا............ اس لئے کہ آج کل عام طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ "احسان" صرف نماز ہی میں مطلوب ہے

یا ذکر و تلاوت ہی میں مطلوب ہے۔ حالانکہ احسان ہر وقت مطلوب ہے۔ زندگی کے ہر مرحلے اور ہر شعبے میں مطلوب ہے......... دکان پر بیٹھ کر تجارت کر رہے ہو وہاں پر "احسان" مطلوب ہے یعنی دل میں یہ استحضار ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں اب اپنے ماتحتوں کے ساتھ معاملات کر رہے ہو اس وقت بھی "احسان" مطلوب ہے۔ جب بیوی بچوں اور دوست احباب اور پڑوسیوں سے معاملات کر رہے ہو اس وقت بھی یہ استحضار ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔

حقیقت میں "احسان" کا مرتبہ یہ ہے......... صرف نماز تک محدود نہیں ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی کرامت

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ کبھی کبھی تعلیم کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ "آج میرے نکاح کو ۵۵ سال ہو گئے لیکن الحمدللہ کبھی اس عرصہ میں لہجہ بدل کر بات نہیں کی" میں کہا کرتا ہوں کہ لوگ پانی پر تیرنے اور ہوا میں اڑنے کو کرامت سمجھتے ہیں......... اصل کرامت تو ہے کہ پچپن سال بیوی کے ساتھ زندگی گزاری۔ اور یہ تعلق ایسا ہوتا ہے کہ جس میں یقیناً ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں......... یہ بات ممکن نہیں کہ ناگواری نہ ہوتی ہو لیکن فرماتے ہیں کہ "میں نے لہجہ بدل کر بات نہیں کی" اور اس سے آگے بڑھ کر ان کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ ساری عمر مجھ سے یہ نہیں کہا کہ "مجھے پانی پلا دو" یعنی اپنی طرف سے کسی کام کا حکم نہیں دیا کہ یہ کام کر دو......... میں خود اپنے شوق اور جذبے سے سعادت سمجھ کر ان کا خیال رکھتی اور ان کا کام کرتی تھی لیکن ساری عمر زبان سے انہوں نے مجھے کسی چیز کا حکم نہیں دیا۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست

فرماتے تھے کہ "میں نے تو اپنے آپ کو یہ سمجھ لیا ہے اور اسی پر اعتقاد رکھتا ہوں اور اسی پر خاتمہ چاہتا ہوں کہ میں تو خادم ہوں.......... مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خدمت کے لئے دنیا میں بھیجا ہے.......... جتنے میرے اہل تعلقات ہیں.......... ان کی خدمت میرے ذمے ہے.......... میں مخدوم بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ دوسرے لوگ میری خدمت کریں.......... بلکہ میں خادم ہوں.......... اپنی بیوی کا بھی خادم.......... اپنے بچوں کا خادم.......... اپنے مریدین کا بھی خادم اور اپنے متعلقین کا بھی خادم ہوں۔ اس لئے کہ بندے کے لئے خادمیت کا مقام اچھا ہے اس لئے میں خادم ہوں" فرمایا کہ ؎

زتسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نیست

طریقت در حقیقت خدمت خلق ہی کا نام ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے یہ سمجھ لیا کہ میں خادم ہوں.......... مخدوم نہیں ہوں تو خادم دوسروں پر کیسے حکم چلائے کہ یہ کام کر دو۔ ساری عمر اس طرح گزاری کہ جب ضرورت پیش آتی.......... خود کام کرتے.......... کسی سے نہیں کہتے تھے۔ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع.......... ظاہری چیزوں میں تو ہم لوگ سنت کا اتباع کر لیتے ہیں لیکن اخلاق میں معاملات میں معاشرت میں اور زندگی گزارنے کے طریقوں میں بھی سنت کی اتباع کرنی چاہیے۔

ایک عجیب واقعہ

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک دن بڑا عجیب واقعہ سنایا کہ میرے متعلقین میں ایک صاحب تھے۔ وہ اور ان کی بیوی دونوں میری مجلس میں آیا کرتے تھے اور کچھ اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ دونوں

نے ایک مرتبہ اپنے گھر میری دعوت کی چنانچہ میں ان کے گھر گیا اور جا کر کھانا کھایا......... کھانا بڑا اچھا بنا ہوا تھا.......... جب حضرت والاؒ کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آئیں اور آکر حضرت والا کو سلام کیا تو حضرت نے فرمایا تم نے بڑا لذیذ اور اچھا کھانا بنایا......... کھانا کھانے میں بڑا مزہ آیا حضرت والا فرماتے ہیں جب میں نے یہ جملہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کی سسکیاں لینے اور رونے کی آواز آئی میں حیران ہو گیا کہ معلوم نہیں میری کس بات سے ان کو تکلیف پہنچی اور ان کا دل ٹوٹا.......... میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ان خاتون نے اپنے رونے پر بمشکل قابو پاتے ہوئے یہ کہا کہ حضرت آج مجھے ان شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے ہیں لیکن اس پورے عرصے میں کبھی میں نے ان کی زبان سے یہ جملہ نہیں سنا کہ "آج کھانا اچھا بنا ہے" آج جب آپ کے منہ سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آگیا۔

ایسا شخص کھانے کی تعریف نہیں کرے گا

حضرت والاؒ بکثرت یہ واقعہ سنا کر فرماتے تھے کہ وہ شخص یہ کام ہرگز نہیں کر سکتا جس کے دل میں یہ احساس ہو کہ یہ بیوی کھانے پکانے کی جو خدمت انجام دے رہی ہے.......... یہ اس کا حسن سلوک اور حسن معاملہ ہے جو وہ میرے ساتھ کر رہی ہے جو شخص اپنی بیوی کو نوکر اور خادمہ سمجھتا ہو کہ یہ میری خادمہ ہے اس کو تو یہ کام ضرور انجام دینا ہے۔ کھانا پکانا اس کا فرض ہے۔ اگر کھانا اچھا پکا رہی ہے تو اس پر اس کی تعریف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسا شخص کبھی اپنی بیوی کی تعریف نہیں کرے گا۔

اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے

ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک

و تعالیٰ کی رحمتیں بہانے ڈھونڈتی ہیں۔ جب ہمیں یہ حکم دیا کہ ان کی مشابہت اختیار کر لو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر جو رحمتیں نازل فرمانا منظور ہے اس کا کچھ حصہ تمہیں بھی عطا فرمانا چاہتے ہیں تاکہ جس وقت عرفات کے میدان میں ان اللہ کے بندوں پر رحمت کی بارشیں برسیں.......... اس کی بدلی کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی رحمت برسا دے.......... تو یہ شباہت پیدا کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور حضرت مجذوب صاحبؒ کا یہ شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے۔

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لیکر آیا ہوں

کیا بعید ہے کہ اللہ اس صورت کی برکت سے حقیقت میں تبدیل فرما دے اور اس رحمت کی جو گھٹائیں وہاں برسیں گی.......... ان شاء اللہ ہم اور آپ اس سے محروم نہیں رہیں گے۔

اللہ کے محبوب بن جاؤ

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بیت الخلا یا غسل خانے میں داخل ہو رہے ہو.......... بایاں پاؤں پہلے داخل کر دو اور داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لو کہ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" اور یہ نیت کر لو کہ یہ کام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کر رہا ہوں.......... بس پھر جس وقت یہ کام کرو گے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہو جائے گی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ "اگر تم میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لیں گے" (سورہ آل عمران ۳۱)

لہٰذا اگر چھوٹے چھوٹے کام سنت کا لحاظ کرتے ہوئے کر لئے جائیں بس محبوبیت حاصل ہونے لگے گی اور جب سراپا اتباع بن جاؤ گے تو کامل محبوب ہو جاؤ گے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں نے

مدتوں اس بات کی ریاضت اور مشق کی ہے کہ گھر میں داخل ہوا........... کھانا سامنے چنا ہوا ہے......... بھوک شدت کی لگی ہوئی ہے اور کھانے کو دل چاہ رہا ہے......... لیکن ایک لمحے کے لئے رک گئے کہ کھانا نہیں کھائیں گے......... پھر دوسرے لمحے دل میں یہ خیال لائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی کہ جب آپ کے سامنے اچھا کھانا آتا تھا تو آپؐ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کر کے کھا لیتے تھے......... اب ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھانا کھائیں گے لہذا اب جو کھانا کھایا......... وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھایا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت بھی حاصل ہو گئی اور طبیعت بھی سیر ہو گئی۔

اگر اس وقت بادشاہ کا پیغام آجائے

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہیں نماز کے لئے جانے میں سستی ہو رہی ہو یا کسی دین کے کام میں سستی ہو رہی ہو مثلاً فجر کی نماز کے لئے یا تہجد کی نماز کے لئے سستی ہو رہی ہے۔ آنکھ کھل گئی......... مگر نیند کا غلبہ ہے......... بستر چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تو اس وقت ذرا یہ سوچو کہ اس نیند کے غلبے کے عالم میں اگر تمہارے پاس یہ پیغام آجائے کہ سربراہ مملکت تمہیں بہت بڑا اعزاز دینا چاہتے ہیں اور وہ اعزاز تمہیں اسی وقت ملے گا تو یہ بتاؤ کہ اس وقت وہ نیند اور وہ سستی باقی رہے گی؟ ظاہر ہے کہ وہ نیند اور سستی سب غائب ہو جائے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ تمہارے دل میں اس اعزاز کی قدر و منزلت ہے......... جس کی وجہ سے تم طبیعت کے خلاف کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے اور یہ سوچو گے کہ کہاں کی غفلت......... کہاں کی نیند......... اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے دوڑ جاؤ......... اگر یہ موقع نکل گیا تو پھر ہاتھ آنے والا نہیں......... چنانچہ اس کام کے لئے نیند اور آرام چھوڑ کے فوراً نکل کھڑے ہو گے لہذا جب تم ایک دنیا کے بادشاہ سے اعزاز حاصل

کرنے کے لئے نیند چھوڑ سکتے ہو........ اپنی راحت چھوڑ سکتے ہو........ تو پھر اللہ جل جلالہ اور احکم الحاکمین کو راضی کرنے کے لئے راحت اور نیند نہیں چھوڑ سکتے؟ جب کسی نہ کسی وجہ سے راحت اور نیند چھوڑنی ہے تو پھر کیوں نہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے راحت وآرام چھوڑا جائے؟

(اصلاحی خطبات جلد ۲)

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں........ بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے........ یہ دیکھو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے اس وقت کیا تقاضا ہے؟ بس اس تقاضے کو پورا کرو........ اس کا نام دین ہے........ اس کا نام دین نہیں کہ مجھے فلاں چیز کا شوق ہو گیا ہے........ اس شوق کو پورا کر رہا ہوں........ مثلاً کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں ہمیشہ صف اول میں نماز پڑھوں........ کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں تبلیغ و دعوت کے کام میں نکلوں........ اگرچہ یہ سب دین کے کام ہیں اور باعث اجر و ثواب ہیں........ لیکن یہ دیکھو کہ اس وقت کا تقاضا کیا ہے؟ مثلاً گھر کے اندر والدین بیمار ہیں اور انہیں تمہاری خدمت کی ضرورت ہے........ لیکن تمہیں تو اس بات کا شوق لگا ہوا ہے کہ صف اول میں جا کر جماعت سے نماز پڑھوں اور والدین اتنے بیمار ہیں کہ حرکت کرنے کے قابل نہیں........ اب اس وقت میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقاضا یہ ہے کہ صف اول کی نماز کو چھوڑ دو اور والدین کی خدمت انجام دو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور نماز گھر کے اندر تنہا پڑھ لو........ اب اگر اس وقت تم نے والدین کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں اور تم اپنا شوق پورا کرنے مسجد میں چلے گئے اور صف اول میں جا کر شامل ہو گئے تو یہ دین کی اتباع نہ ہوئی

بلکہ اپنا شوق پورا کرنا ہو گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب مسجد کہیں دور ہے.......... مسجد آنے جانے میں وقت لگے گا اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو تکلیف ہو گی......... لیکن اگر مسجد گھر کے بالکل قریب ہے اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو بیٹے کے تھوڑی دیر کے دور رہنے سے تکلیف نہ ہو گی یا کوئی اور خدمت کرنے والا موجود ہے تو اس صورت میں اس کو مسجد میں جا کر جماعت ہی سے نماز ادا کرنی چاہئے۔

شریعت، سنت، طریقت

حضرت صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ "حقوق" تمام تر شریعت ہے یعنی شریعت حقوق کا نام ہے.......... اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق اور "حدود" تمام تر سنت ہے یعنی سنت سے یہ پتا چلتا ہے کہ کس حق کی کیا حد ہے؟ حق اللہ کی حد کہاں تک ہے اور حق العبد کی حد کہاں تک ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں یہ بتاتی ہیں کہ کس حق پر کس حد تک عمل کیا جائے گا۔ اور "حفظ حدود" تمام تر طریقت ہے.......... یعنی طریقت جس کو تصوف اور سلوک کہا جاتا ہے.......... ان حدود کی حفاظت کا نام ہے.......... یعنی وہ حدود جو سنت سے ثابت ہیں ان کی حفاظت تصوف اور سلوک کے ذریعہ ہوتی ہے.........

خلاصہ یہ ہے کہ "شریعت" تمام تر حقوق......... سنت تمام تر حدود اور طریقت تمام تر حفظ حدود......... بس! اگر یہ تین چیزیں حاصل ہو جائیں تو پھر کسی چیز کی حاجت نہیں......... لیکن عادۃً یہ چیزیں اس وقت حاصل نہیں ہوتیں......... جب تک انسان کسی اللہ والے کے سامنے رگڑے نہ کھائے اور کسی کامل شیخ کے حضور اپنے آپ کو پامال نہ کرے۔

قال را بگزار صاحب حال شو
پیش مرد کامل پامال شو

جب تک آدمی کسی مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال نہیں کرے

گا۔ اس وقت تک یہ بات حاصل نہیں ہو گی بلکہ افراط و تفریط میں ہی مبتلا رہے گا.......... کبھی ادھر جھک گیا.......... کبھی ادھر جھک گیا.......... سارے تصوف کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو افراط و تفریط سے بچائے اور اس کو اعتدال پر لائے اور اس کو یہ بتائے کہ کس وقت دین کا کیا تقاضا ہے؟

سیدھے جنت میں جاؤ گے

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ رات کو سوتے وقت چند کام کر لیا کرو ایک تو دن بھر کے گناہوں سے توبہ کر لیا کرو.......... بلکہ سارے پچھلے گناہوں سے توبہ کر لیا کرو۔ اور وضو کر لیا کرو اور یہ دعا پڑھ لیا کرو "آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ" یعنی میں ایمان لایا آپ کی کتاب پر جو آپ نے نازل کی.......... اور آپ کے نبی پر جو آپ نے بھیجا.......... یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر.......... اس دعا کے ذریعہ ایمان کی بھی تجدید ہو گئی۔ اب اس کے بعد داہنی کروٹ پر سو جاؤ.......... اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ساری نیند عبادت بن گئی اور اگر اس حالت میں رات کو سوتے وقت موت آگئی تو ان شاء اللہ سیدھے جنت میں جاؤ گے.......... اللہ نے چاہا تو کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔

ہر کام رضائے الٰہی کی خاطر کرو

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب تم صبح کو بیدار ہو جاؤ تو نماز کے بعد تلاوت قرآن اور ذکر و اذکار اور معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ایک مرتبہ اللہ سے یہ عہد کر لو کہ "اے اللہ آج دن بھر میں جو کچھ کام کروں گا وہ آپ کی رضا کی خاطر کروں گا.......... گھر میں جاؤں گا تو آپ کی خاطر.......... یہ سب کام میں اس لئے کروں گا کہ ان کے حقوق آپ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیئے ہیں اور جب ایک مرتبہ یہ نیت کر لی تو اب یہ دنیا

کے کام نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سب دین کے کام ہیں اور اللہ کی رضا کے کام ہیں۔ ان کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے تعلق ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ تعلق اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

جو کرنا ہے ابھی کر لو

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ ہم لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اللہ میاں نے تمہیں جوانی دی ہے.......... صحت دی ہے.......... فراغت دی ہے اس کو کام میں لے لو اور جو کچھ کرنا ہے اس وقت کر لو۔ عبادتیں اس وقت کر لو.......... اللہ کا ذکر اس وقت کر لو.......... اس وقت گناہوں سے بچ جاؤ.......... پھر جب بیمار ہو جاؤ گے یا ضعیف ہو جاؤ گے تو اس وقت کچھ بن نہیں پڑے گا اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ ؎

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہو گا جب نہ ہو گا یہ بھی امکاں میں

اس وقت اگر دل بھی چاہے گا کہ آخرت کا کچھ سامان کر لوں لیکن اس وقت امکان میں نہیں ہو گا.......... کر نہیں سکو گے۔

کیا پھر بھی نفس سستی کرے گا؟

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو وقت کو کام میں لگانے کا طریقہ سن لو.......... مثلاً تمہیں یہ خیال رہا کہ فلاں وقت میں تلاوت کریں گے.......... یا نفل نماز پڑھیں گے.......... لیکن جب وہ وقت آیا تو اب طبیعت میں سستی ہو رہی ہے اور اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے لیکن یہ بتاؤ کہ اگر اس وقت صدر مملکت کی طرف سے یہ پیغام آجائے کہ ہم تمہیں بہت بڑا انعام یا بہت بڑا منصب یا بہت بڑا عہدہ یا بہت بڑی ملازمت دینا چاہتے ہیں.......... اس لئے تم اس وقت فوراً ہمارے پاس آجاؤ.......... بتاؤ کیا اس وقت

بھی سستی رہے گی؟ اور کیا تم یہ جواب دو گے کہ میں اس وقت نہیں آسکتا.......... مجھے نیند آرہی ہے۔ کوئی بھی انسان جس میں ذرا بھی عقل و ہوش ہے.......... بادشاہ کا یہ پیغام سن کر اس کی ساری سستی .... کاہلی اور نیند دور ہو جائے گی اور خوشی کے مارے فوراً اس انعام کو لینے کے لئے بھاگ کھڑا ہو گا.......... کہ مجھے اتنا بڑا انعام ملنے والا ہے۔ لہذا اگر اس وقت یہ نفس اس انعام کے حصول کے لئے بھاگ پڑے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اٹھنے میں کوئی عذر نہیں ہے.......... اگر حقیقت میں واقعۃً اٹھنے سے کوئی عذر ہوتا تو اس وقت نہ جاتے اور بلکہ بستر پر پڑے رہتے لہذا یہ تصور کرو کہ دنیا کا ایک سربراہ حکومت جو بالکل عاجز.......... در عاجز.......... در عاجز ہے وہ اگر تمہیں ایک منصب کے لئے بلا رہا ہے تو اس کے لئے اتنا بھاگ رہے ہو لیکن احکم الحاکمین.......... جس کے قبضہ و قدرت میں پوری کائنات ہے.......... دینے والا وہ ہے.......... چھیننے والا وہ ہے.......... اس کی طرف سے بلاوا آرہا ہے تو تم اس کے دربار میں حاضر ہونے میں سستی کر رہے ہو؟ اس تصور سے ان شاء اللہ ہمت پیدا ہو گی اور وہ وقت جو بے کار جارہا ہے وہ ان شاء اللہ کام میں لگ جائے گا۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ یہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں ان کا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضا پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کر کے لذت حاصل کروں تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا؟ یا اگر مجھے معلوم ہو کہ میرے شیخ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ یا مجھے پتہ ہو کہ میری اولاد میری اس حرکت کو دیکھ رہی ہے تو کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں

گا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہو گا تو میں اپنی نظر نیچی کر لوں گا اور یہ کام نہیں کروں گا.......... چاہے دل میں کتنا شدید تقاضا پیدا کیوں نہ ہو؟ پھر تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا و آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن میری اس حالت کو جو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے اس کی پرواہ مجھے کیوں نہ ہو.......... اس لئے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس خیال اور تصور کی برکت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلادی جائے تو؟

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے یوں فرمائیں کہ اچھا اگر تمہیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے.......... تو چلو ہم تمہیں جہنم سے بچالیں گے.......... لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ تمہاری زندگی جو بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک تم نے گزاری ہے اس کی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمہارا باپ ہو گا.......... تمہاری ماں ہو گی.......... تمہارے بہن بھائی ہوں گے.......... تمہاری اولاد ہو گی.......... تمہارے شاگرد ہوں گے.......... تمہارے استاذ ہوں گے.......... تمہارے دوست احباب ہوں گے اور اس فلم کے اندر تمہاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کر دیا جائے گا.......... اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو پھر تمہیں جہنم سے بچا لیا جائے گا۔ اس کے بعد حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارہ کر لے گا.......... مگر اس بات کو گوارہ نہیں کرے گا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ آجائے..........

لہذا جب اپنے ماں.......... باپ.......... دوست احباب.......... عزیز و اقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارہ نہیں تو پھر ان

احوال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارہ کر لو گے؟ اس کو ذرا سوچ لیا کرو۔

اخلاص مطلوب ہے

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس سرہ بڑے کیف کے عالم میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تم لوگ سجدے میں جاتے ہو تو سجدہ میں "سبحان ربی الاعلیٰ" کئی مرتبہ کہتے ہو............ مشین کی طرح زبان پر یہ تسبیح جاری ہو جاتی ہے............ لیکن اگر کسی دن یہ کلمہ "سبحان ربی الاعلیٰ" ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ دل سے نکل گیا تو یقین کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس ایک مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کی بدولت بیڑہ پار کر دیں گے۔ لہذا یہ مت خیال کرو کہ اگر تنہا گھر میں رہ کر عبادت کریں گے تو نیند آجائے گی............ اس لئے اگر نیند آجائے تو سو جاؤ............ لیکن چند لمحات جو عبادت میں گزارو............ وہ سنت کے مطابق گزارو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن شریف پڑھتے پڑھتے نیند آجائے تو سو جاؤ اور سو کر تھوڑی سی نیند پوری کر لو اور پھر اٹھ جاؤ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی حالت میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے تمہارے منہ سے کوئی لفظ غلط نکل جائے۔

لہذا ایک آدمی ساری رات سنت کے خلاف جاگ رہا ہے اور دوسرا آدمی صرف ایک گھنٹہ جاگا لیکن سنت کے مطابق جاگا تو یہ دوسرا شخص پہلے شخص سے کئی درجہ بہتر ہے۔

(اصلاحی خطبات جلد ۴)

ایک بہترین مثال

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن کسی آدمی کے پاس جا کر اس کی تعریف کرو اور اس کے بارے میں اچھے اچھے کلمات کہو............ اور تم اگلے دن پھر جا کے اس کی تعریف کرو............ تیسرے دن

پھر جا کر تعریفی کلمات کہو.......... اب اگر تمہارا یہ عمل اس شخص کو پسند ہو گا تو وہ تمہاری بات سنے گا.......... منع نہیں کرے گا لیکن اگر تمہارا یہ عمل اس کو پسند نہیں ہو گا تو ایک مرتبہ کرو گے.......... دو مرتبہ کرو گے لیکن تیسری مرتبہ وہ تمہیں باہر نکال دے گا اور تمہیں تعریف کرنے نہیں دے گا۔ اسی طرح جب تم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر کیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو جاری رکھا اور تمہیں دوبارہ توفیق دی.......... تیسری بار توفیق دی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ تمہارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے.......... یہی ٹوٹا پھوٹا عمل ان کے ہاں پسند ہے۔ لہٰذا اس کی ناقدری مت کرو بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

ساری گفتگو کا حاصل

حضرت والا قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ سیدھی سادھی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کرتے رہو اور ہر عمل پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ آپ نے اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرمائی آپ کا شکر ہے۔ میرے اندر کوئی طاقت ہی نہیں تھی اور جب اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا خیال آئے اس پر توبہ و استغفار کر لو.......... کہ یا اللہ! مجھ سے کوتاہیاں ہوئی ہیں.......... مجھے معاف فرما دیجئے.......... ایسا کرنے سے ان شاء اللہ تواضع کا بھی حق ادا ہو جائے گا.......... شکر کا بھی حق ادا ہو جائے گا اور تکبر بھی پاس نہیں آئے گا۔

شکر کثرت سے کرو

ہمارے حضرتؒ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں.......... آج تمہیں اس بات کی قدر نہیں ہو گی جب کبھی اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دیں گے تب تمہیں قدر معلوم ہو گی.......... وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کثرت سے کیا کرو.......... اس لئے جس قدر شکر کرو گے امراض باطنہ کی جڑ

کٹے گی۔۔۔۔۔۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت واقعی وہ باتیں اتنی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ اب تو کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی ہیں کہ یہ شکر ایسی دولت ہے جو بہت سے امراض باطنہ کا خاتمہ کرنے والی ہے حضرت فرماتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ میاں وہ ریاضتیں اور مجاہدے کہاں کرو گے۔۔۔۔۔۔۔۔ جو پہلے زمانے کے لوگ اپنے شیوخ کے پاس جا کر کیا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ رگڑے کھایا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ محنتیں کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ مشقتیں اٹھاتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ بھوکے رہتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ تمہارے پاس اتنا وقت کہاں؟ اور تمہارے پاس اتنی فرصت کہاں؟ بس ایک کام کر لو۔ وہ یہ کہ کثرت سے شکر کرو۔۔۔۔۔۔۔ جتنا شکر کرو گے ان شاء اللہ تواضع پیدا ہو گی۔۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تکبر دور ہو گا۔۔۔۔۔۔۔۔ امراض باطنہ رفع ہوں گے۔

یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ نگاہ کا غلط استعمال باطن کے لئے سم قاتل ہے۔۔۔۔۔۔۔ اگر باطن کی اصلاح منظور ہے تو سب سے پہلے اس نگاہ کی حفاظت کرنی ہو گی۔ یہ کام بڑا مشکل نظر آتا ہے۔ ڈھونڈنے سے بھی آنکھوں کو پناہ نہیں ملتی۔۔۔۔۔۔۔ ہر طرف بے پردگی۔۔۔۔۔۔۔۔ بے حجابی۔۔۔۔۔۔۔ عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہے۔۔۔۔۔۔۔ ایسے میں اپنی نگاہوں کو بچانا مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر ایمان کی حلاوت حاصل کرنا منظور ہے اور اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق اور محبت منظور ہے اور اپنے باطن کی صفائی۔۔۔۔۔۔۔۔ تزکیہ اور طہارت منظور ہے تو پھر یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑے گا اور یہ کڑوا گھونٹ پیئے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی۔۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ کڑوا گھونٹ ایسا ہے کہ شروع میں تو بہت کڑوا ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ مگر جب ذرا اس کی عادت ڈال لو تو پھر یہ گھونٹ ایسا میٹھا ہو جاتا ہے کہ پھر اس کے بغیر چین بھی نہیں آتا۔

دعا کے بعد اگر گناہ ہو جائے؟

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جب تم نے یہ دعا مانگ لی کہ یا اللہ.......... مجھے گناہ سے بچا لیجئے.......... لیکن اس دعا کے بعد پھر تم گناہ کے اندر مبتلا ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ دنیا کے معاملے میں تو یہ جواب دیا تھا کہ جو چیز بندے نے مانگی تھی چونکہ وہ بندے کے لئے مناسب نہیں تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز نہیں دی بلکہ کوئی اور اچھی چیز دے دی.......... لیکن ایک شخص یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ.......... میں گناہ سے بچنا چاہتا ہوں.......... مجھے گناہ سے بچنے کی توفیق دے دیجئے.......... تو کیا یہاں بھی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ گناہ سے بچنا اچھا نہیں تھا.......... اس سے اچھی کوئی چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے اس دعا مانگنے والے کو دے دی؟ بات دراصل یہ ہے کہ گناہ سے بچنے کی یہ دعا قبول تو ہوئی لیکن اس دعا کا اثر یہ ہو گا کہ اول تو ان شاء اللہ گناہ سرزد نہیں ہو گا اور اگر بالفرض گناہ ہو بھی گیا تو توبہ کی توفیق ضرور ہو جائے گی لہذا دین کے بارے میں یہ دعا کبھی رائیگاں نہیں جائے گی۔

پھر ہم تمہیں بلند مقام پر پہنچائیں گے

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کرنے کے باوجود اگر پاؤں پھسل گیا اور وہ گناہ سرزد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ سے بدگمان مت ہو جاؤ کہ اللہ میاں نے ہماری دعا قبول نہیں کی۔ ارے نادان تجھے کیا معلوم.......... ہم تجھے کہاں پہنچانا چاہتے ہیں.......... اس لئے جب گناہ سرزد ہو گا تو پھر ہم تمہیں توبہ کی توفیق دیں گے۔ پھر ہم تمہیں اپنی ستاری.......... اپنی غفاری.......... اپنی پردہ پوشی کا اور اپنی رحمتوں کا مورد بنائیں گے۔ اس لئے اس دعا کو کبھی رائیگاں اور بیکار مت سمجھو۔ بس یہ دو کام کرتے رہو ہمت سے کام

لو اور دعا مانگتے رہو............ پھر دیکھو............ کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کھانا............ ایک نعمت

ایک مرتبہ حضرت صاحب قدس اللہ سرہ کے ساتھ ایک دعوت میں گئے جب دستر خوان پر کھانا آیا اور کھانا شروع کیا گیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم ذرا غور کرو کہ اس ایک کھانے میں جو تم اس وقت کھا رہے ہو............ اس میں اللہ تعالیٰ کی مختلف قسم کی کتنی نعمتیں شامل ہیں............ سب سے پہلے تو کھانا مستقل نعمت ہے اس لئے اگر انسان شدید بھوکا ہو اور بھوک کی وجہ سے مر رہا ہو اور کھانے کی کوئی چیز میسر نہ ہو تو اس وقت خواہ کتنا ہی خراب سے خراب کھانا اس کے سامنے لایا جائے وہ اس کو بھی غنیمت سمجھ کر کھانے کے لئے تیار ہو جائے گا اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانا اچھا ہو یا برا ہو............ لذیذ ہو یا بے مزہ ہو............ وہ کھانا بذات خود ایک نعمت ہے............ اس لئے وہ بھوک کی تکلیف کو دور کر رہا ہے۔

مسلمان اور کافر کے کھانے میں امتیاز

حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دین در حقیقت زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائے گی۔ مثلاً یہی کھانا "بسم اللہ" پڑھے بغیر کھا لو اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے استحضار کے بغیر کھا لو تو پھر اس کھانے کی حد تک تم میں اور کافر میں کوئی فرق نہیں............ اس لئے کھانا کافر بھی کھا رہا ہے اور تم بھی کھا رہے ہو۔ اس کھانے کے ذریعے سے تمہاری بھوک دور ہو جائے گی اور زبان کو چٹخارہ مل جائے گا۔ لیکن وہ کھانا تمہاری دنیا ہے............ دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور جیسے گائے............ بھینس............ بکری اور دوسرے جانور کھا رہے ہیں۔ اسی طرح

تم بھی کھا رہے ہو.......... دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ایک عمل میں کئی سنتوں کا ثواب

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ سنتوں پر عمل کرنے کی نیت کرنا لوٹ کا مال ہے.......... مطلب یہ ہے کہ ایک عمل کے اندر جتنی سنتوں کی نیت کر لو گے اتنی سنتوں کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ مثلاً پانی پیتے وقت یہ نیت کر لو کہ میں تین سانس میں پانی اس لئے پی رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تین سانس میں پینے کی تھی اس سنت کا ثواب حاصل ہو گیا.......... اسی طرح یہ نیت کر لی کہ میں سانس لیتے وقت برتن کو اس لئے منہ سے ہٹا رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ اب دوسری سنت پر عمل کا بھی ثواب حاصل ہو گیا.......... اس لئے سنتوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ آدمی جب کوئی عمل کرے تو ایک ہی عمل کے اندر جتنی سنتیں ہیں ان سب کا دھیان اور خیال رکھے اور ان کی نیت کرے تو پھر ہر ہر نیت کے ساتھ ان شاء اللہ مستقل سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

خواتین ان اعضا کو چھپائیں

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ فتنے جو آج کل عام رواج پا گئے ہیں.......... ان کو کسی طرح ختم کرو.......... خواتین اس حالت میں مجمع عام میں جا رہی ہیں کہ سر کھلا ہوا ہے.......... بازو کھلے ہوئے ہیں.......... سینہ کھلا ہوا ہے.......... پیٹ کھلا ہوا ہے۔ حالانکہ "ستر" کا حکم یہ ہے کہ مرد کے لئے مرد کے سامنے ستر کھولنا بھی جائز نہیں اور عورت کے لئے عورت کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں.......... مثلاً اگر کسی عورت نے ایسا لباس پہن لیا جس میں سینہ کھلا ہوا ہے.......... پیٹ کھلا ہوا

ہے..........بازو کھلے ہوئے ہیں تو اس عورت کو اس حالت میں دوسری عورتوں کے سامنے آنا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ اس حالت میں مردوں کے سامنے آئے۔ اس لئے کہ یہ اعضا اس کے ستر کا حصہ ہیں۔

شکستگی اور فنائیت پیدا کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں تو معاملہ عبدیت اور فنائیت اور بندگی کا ہے.......... شکستگی اور عاجزی کا ہے۔ لہذا اپنے آپ کو جتنا مٹالو گے اور جتنا اپنی بندگی کا مظاہرہ کرو گے.......... ان شاء اللہ باری تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوں گے۔

ابھی یہ چاول کچے ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحب قدس اللہ سرہ کی زبان پر اللہ تعالیٰ بڑے عجیب و غریب معارف جاری فرمایا کرتے تھے.......... ایک دن فرمانے لگے جب پلاؤ پکایا جاتا ہے.......... تو شروع شروع میں ان چاولوں کے اندر جوش ہوتا ہے ان میں سے آواز آتی رہتی ہے اور وہ حرکت کرتے رہتے ہیں.......... اور ان چاولوں کا جوش مارنا.......... حرکت کرنا اس بات کی علامت ہے کہ چاول ابھی کچے ہیں۔ پکے نہیں ہیں۔ وہ ابھی کھانے کے لائق نہیں۔ اور نہ ان میں ذائقہ ہے اور نہ خوشبو لیکن جب چاول پکنے کے بالکل قریب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس کا دم نکالا جاتا ہے۔ اور دم نکالتے وقت نہ تو ان چاولوں میں جوش ہوتا ہے.......... نہ حرکت اور آواز ہوتی ہے۔ اس وقت وہ چاول بالکل خاموش پڑے رہتے ہیں.......... لیکن جیسے ہی اس کا دم نکالا۔ ان چاولوں میں سے خوشبو پھوٹ پڑی۔ اور اب اس میں ذائقہ بھی پیدا ہو گیا اور کھانے کے قابل ہو گئے..........

صبا جو ملنا تو کہنا یہ میرے یوسف سے
پھوٹ نکلی ہے ترے پیراھن سے بو تیری

اسی طرح جب تک انسان کے اندر یہ دعوے ہوتے ہیں کہ میں ایسا ہوں.......... میں بڑا علامہ ہوں۔ میں بڑا متقی ہوں۔ بڑا نمازی ہوں.......... چاہے دعوے زبان پر ہوں۔ چاہے دل میں ہوں۔ اس وقت تک اس انسان میں نہ خوشبو ہے۔ اور نہ اس کے اندر ذائقہ ہے۔ وہ تو کچا چاول ہے۔ اور جس دن اس نے اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے ان دعوؤں کو فنا کر کے یہ کہہ دیا کہ میری تو کوئی حقیقت نہیں.......... میں کچھ نہیں۔ اس دن اس کی خوشبو پھوٹ پڑتی ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اس کا فیض پھیلاتے ہیں۔

ایسے موقع پر ہمارے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا خوبصورت شعر پڑھا کرتے تھے ؎

میں عارفی، آوارہ صحراء فنا ہوں
ایک عالم بے نام و نشاں میرے لئے ہے

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ اور تواضع

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے کہ میں اپنے گھر میں کبھی کبھی ننگے پیر بھی چلتا ہوں.......... اس لئے کہ کسی روایت میں پڑھ لیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی موقع پر ننگے پاؤں بھی چلے تھے.......... میں بھی اس لئے چل رہا ہوں تاکہ حضورؐ کی اس سنت پر بھی عمل ہو جائے.......... اور فرمایا کرتے کہ میں ننگے پاؤں چلتے وقت اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ دیکھ.......... تیری اصل حقیقت تو یہ ہے کہ نہ پاؤں میں جوتا نہ سر پر ٹوپی اور نہ جسم پر لباس اور تو انجام کار مٹی میں مل جانے والا ہے۔

اگر صدر مملکت کی طرف سے بلاوا آجائے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے اپنا یہ معمول بنا کر رکھا ہے کہ فلاں وقت میں تلاوت کروں گا.......... یا فلاں وقت میں نفل نماز پڑھوں گا۔ لیکن جب وہ وقت آیا تو طبیعت میں سستی ہو رہی ہے.......... اور اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے تو ایسے وقت میں اپنے نفس کی ذرا تربیت کیا کرو.......... اور اس نفس سے کہو کہ اچھا.......... اس وقت تو تمہیں سستی ہو رہی ہے.......... اور بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ اگر اس وقت صدر مملکت کی طرف سے یہ پیغام آجائے کہ ہم تمہیں بہت بڑا انعام.......... یا بہت بڑا منصب یا عہدہ دینا چاہتے ہیں اس لئے تم اس وقت فوراً ہمارے پاس آجاؤ.......... بتاؤ.......... کیا اس وقت بھی سستی رہے گی؟ اور کیا تم پیغام لانے والے کو یہ جواب دو گے کہ میں اس وقت نہیں آسکتا۔ کیونکہ اس وقت تو مجھے نیند آرہی ہے.......... کوئی بھی انسان جس میں ذرا بھی عقل و ہوش ہے.......... صدر مملکت کا یہ پیغام سن کر اس کی ساری سستی.......... کاہلی اور نیند دور ہو جائے گی۔ اور خوشی کے مارے فوراً انعام حاصل کرنے کے لئے بھاگ کھڑا ہو گا..........

لہذا اگر اس وقت یہ نفس اس انعام کے حصول کے لئے بھاگ پڑے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اٹھنے سے کوئی عذر نہیں تھا۔ اگر حقیقت میں اٹھنے سے کوئی عذر ہوتا تو صدر مملکت کا پیغام سن کر نہ اٹھتے.......... بلکہ بستر پر پڑے رہتے.......... اس کے بعد یہ سوچو کہ دنیا کا ایک سربراہ مملکت جو بالکل عاجز.......... انتہائی عاجز.......... انتہائی عاجز ہے.......... وہ اگر تمہیں ایک انعام یا منصب دینے کے لئے بلا رہا ہے تو تم اس کے لئے اتنا بھاگ سکتے ہو.......... لیکن وہ احکم الحاکمین.......... جس کے قبضہ و قدرت میں پوری کائنات ہے۔ دینے والا وہی ہے۔ چھیننے والا وہی ہے۔ اس کی طرف سے بلاوا آرہا

ہے تو اس کے دربار میں حاضر ہونے میں سستی کر رہے ہو؟......... ان باتوں کا تصور کرنے سے ان شاء اللہ اس کام کی ہمت ہو جائے گی......... اور سستی دور ہو جائے گی۔

یہ روزہ کس کے لئے رکھ رہے تھے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ حضرت تھانوی کی یہ بات نقل فرماتے تھے کہ ایک شخص رمضان میں بیمار ہو گیا......... اور بیماری کی وجہ سے روزہ چھوٹ گیا......... اب اس کو اس بات کا غم ہو رہا ہے کہ رمضان کا روزہ چھوٹ گیا......... حضرت فرماتے ہیں کہ غم کرنے کی کوئی بات نہیں......... اس لئے کہ یہ دیکھو کہ تم روزہ کس کے لئے رکھ رہے ہو؟ اگر تم اپنی ذات کے لئے اپنا جی خوش کرنے کے لئے......... اور اپنا شوق پورا کرنے کے لئے روزہ رکھ رہے ہو......... پھر تو بیشک اس پر غم اور صدمہ کرو کہ بیماری آگئی......... اور روزہ چھوٹ گیا......... لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے لئے روزہ رکھ رہے ہو۔ تو پھر غم کرنے کی ضرورت نہیں......... اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو خود فرما دیا ہے کہ بیماری میں روزہ چھوڑ دو۔

لہٰذا اگر شرعی عذر کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں......... یا معمولات چھوٹ رہے ہیں......... مثلاً بیماری ہے......... سفر ہے......... یا خواتین کی طبعی مجبوری ہے یا کسی زیادہ اہم مصروفیت کی وجہ سے جو دین ہی کا تقاضہ تھی......... معمول چھوٹ گیا مثلاً ماں باپ بیمار ہیں......... ان کی خدمت میں لگا ہوا ہے......... اور اس خدمت کی وجہ سے معمول چھوٹ گیا......... تو اس سے بالکل رنجیدہ غمگین نہ ہونا چاہئے......... لیکن سستی کی وجہ سے معمول کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ عذر کی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس پر رنجیدہ نہ ہونا چاہئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا طرز اختیار کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ بھی بڑی عجیب عجیب باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے.......... فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رکھا.......... اب وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا.......... چاروں طرف تاریکیاں اور اندھیریاں چھائی ہوئی تھیں.......... اور معاملہ اپنے بس سے باہر ہو گیا تھا.......... بس اس وقت ان تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا اور یہ کلمہ پڑھا۔

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اس نے ہمیں تاریکیوں کے اندر پکارا تو پھر ہم نے یہ کہا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَ كَذَالِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ

(سورہ الانبیاء ۸۸)

یعنی ہم نے اس کی پکار سنی.......... اور ہم نے اس گھٹن سے اس کو نجات عطا فرمادی.......... چنانچہ تین دن کے بعد مچھلی کے پیٹ سے نکل آئے.......... آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں.......... اور دیں گے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ تم ذرا سوچو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کیا لفظ ارشاد فرما دیا کہ ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیں گے؟ کیا ہر مومن پہلے مچھلی کے پیٹ میں جائے گا.......... اور پھر وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کو پکارے گا.......... تو اللہ تعالیٰ اس کو نجات دیں گے.......... کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے؟ آیت کا یہ مطلب نہیں.......... بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں گرفتار ہوئے تھے.......... اسی طرح تم کسی اور قسم کی تاریکیوں میں گرفتار ہو سکتے ہو۔ لیکن وہاں پر بھی تمہارا سہارا وہی ہے جسے حضرت یونس علیہ

السلام نے اختیار کیا تھا۔ وہ یہ کہ ہمیں ان الفاظ سے پکارو!

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰالِمِیْنَ

جب تم ان الفاظ سے ہمیں پکارو گے تو تم جس قسم کی تاریکی میں گرفتار ہو گے۔ ہم تمہیں نجات دے دیں گے۔

نفل کام کی تلافی

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ نے اس حدیث کی بنیاد پر جس میں دعا بھول جانے کا ذکر ہے......... فرمایا کہ جب بھی آدمی کوئی نفلی عبادت اپنے وقت پر ادا کرنا بھول گیا۔ یا کسی عذر کی وجہ سے وہ نفلی عبادت نہ کر سکا......... تو یہ نہ سمجھے کہ بس اب اس نفلی عبادت کا وقت تو چلا گیا......... اب چھٹی ہو گئی......... بلکہ بعد میں جب موقع مل جائے......... اس نفلی عبادت کو کر لے......... چنانچہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت والا قدس اللہ سرہ کے ساتھ ایک اجتماع میں شرکت کے لئے جا رہے تھے......... مغرب کے وقت وہاں پہنچنا تھا......... مگر ہمیں نکلتے ہوئے دیر ہو گئی......... جس کی وجہ سے مغرب کی نماز راستے میں ہی ایک مسجد میں پڑھی......... چونکہ خیال یہ تھا کہ وہاں پر لوگ منتظر ہوں گے۔ اس لئے حضرت والا نے صرف تین فرض اور دو سنتیں پڑھیں۔ اور ہم نے بھی تین فرض اور دو سنتیں پڑھ لیں اور وہاں سے جلدی روانہ ہو گئے......... تاکہ جو لوگ انتظار کر رہے ہیں......... ان کو انتظار زیادہ نہ کرنا پڑے......... چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ گئے......... اجتماع ہوا۔ پھر عشاء کی نماز بھی وہیں پڑھی......... اور رات کے دس بجے تک اجتماع رہا۔ پھر جب حضرت والا وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ہم لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ بھائی......... آج مغرب کے بعد کی اوابین کہاں گئی؟ ہم نے کہا کہ حضرت......... وہ تو آج رہ گئی۔ چونکہ راستے میں جلدی تھی۔ اس لئے نہیں پڑھ سکے......... حضرت والا نے فرمایا کہ رہ گئیں......... اور بغیر کسی معاوضے

کے رہ گئیں! ہم نے کہا کہ حضرت چونکہ لوگ انتظار میں تھے......... جلدی پہنچنا تھا......... اس عذر کی وجہ سے اوابین کی نماز رہ گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ الحمدللہ......... جب میں نے عشاء کی نماز پڑھی......... تو عشاء کی نماز کے ساتھ جو نوافل پڑھا کرتا ہوں ان کے علاوہ مزید چھ رکعتیں پڑھ لیں......... اب اگرچہ وہ نوافل اوابین نہ ہوں۔ اس لئے کہ اوابین کا وقت مغرب کے بعد ہے۔ لیکن یہ سوچا کہ وہ چھ رکعتیں جو چھوٹ گئی تھیں۔ کسی طرح ان کی تلافی کر لی جائے۔ الحمدللہ میں نے تو اب چھ رکعتیں پڑھ کر اوابین کی تلافی کر لی ہے......... اب تم جانو......... تمہارا کام۔

پھر فرمایا کہ تم مولوی ہو......... یہ کہو گے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ مسئلہ یہ ہے کہ فرائض اور واجبات کی قضا ہوتی ہے۔ سنت اور نفل کی قضا نہیں ہوتی......... آپ نے اوابین کی قضا کیسے کر لی؟ تو بھائی تم نے وہ حدیث پڑھی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر تم کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جاؤ......... تو جب درمیان میں یاد آجائے تو اس وقت پڑھ لو......... اور اگر آخر میں یاد آجائے اس وقت پڑھ لو۔ اب دعا پڑھنا کوئی فرض و واجب تو تھا نہیں۔ پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ بعد میں پڑھ لو۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک نفل اور مستحب کام جو ایک نیکی کا کام تھا اور جس کے ذریعہ نامہ اعمال میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ وہ اگر کسی وجہ سے چھوٹ گیا تو اس کو بالکلیہ مت چھوڑو......... دوسرے وقت کر لو۔ اب چاہے اس کو "قضا" کہو یا نہ کہو۔ لیکن اس نفل کام کی تلافی ہو جائے.........

یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہوتی ہیں......... اس دن حضرت والا نے ایک عظیم باب کھول دیا۔ ہم لوگ واقعی یہی سمجھتے تھے......... اور فقہ کی اندر لکھا ہے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی......... لیکن اب معلوم ہوا کہ ٹھیک ہے......... قضا تو نہیں ہو سکتی......... لیکن تلافی تو ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ

اس نفل کے چھوٹنے کی وجہ سے نقصان ہو گیا نیکیاں تو گئیں......... لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ فراغت کی نعمت عطا فرمائے۔ اس وقت اس نفل کو ادا کر لو......... اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات بلند فرمائے آمین۔

پکانے والے کی تعریف کرنی چاہئے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ایک صاحب میرے پاس آیا کرتے تھے......... وہ اور ان کی بیوی دونوں نے اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے اپنے گھر پر میری دعوت کی......... میں چلا گیا......... اور جا کر کھانا کھا لیا۔ کھانا بڑا لذیذ اور بہت اچھا بنا ہوا تھا......... حضرت والا قدس اللہ سرہ کی ہمیشہ کی یہ عادت تھی کہ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اس کھانے کی اور کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف ضرور کرتے......... تاکہ اس پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے......... اور اس خاتون کا دل بڑھ جائے......... چنانچہ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آئیں......... اور آکر حضرت والا کو سلام کیا......... تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم نے بڑا لذیذ اور اور بہت اچھا کھانا پکایا۔ کھانے میں بڑا مزہ آیا......... حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کے رونے اور سسکیاں لینے کی آواز آئی......... میں حیران ہو گیا کہ معلوم نہیں میری کس بات سے ان کو تکلیف ہوئی......... اور ان کا دل ٹوٹا......... میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ان خاتون نے بمشکل اپنے رونے پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ حضرت مجھے ان (شوہر) کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے ہیں......... لیکن اس پورے عرصے میں ان کی زبان سے میں نے یہ جملہ نہیں سنا کہ "آج کھانا بڑا اچھا پکا ہے" آج جب آپ کی زبان سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آگیا......... چونکہ وہ صاحب حضرت والا کے زیر تربیت تھے۔ اس لئے حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ خدا کے

بندے......... ایسا بھی کیا بخل کرنا کہ آدمی کسی کی تعریف میں دو لفظ نہ کہے......... جس سے اس کے دل کو خوشی ہو جائے......... لہذا کھانے کے بعد اس کھانے کی تعریف اور اس کے پکانے والے کی تعریف کرنی چاہئے......... تاکہ اس کھانے پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے اور کھانا بنانے والے کا دل بھی خوش ہو جائے۔

اپنی غلطی پر اڑنا درست نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آدمی غلط کاری اور گناہوں میں مبتلا ہو۔ پھر بھی بزرگوں اور اللہ والوں کے پاس اسی حال میں چلا جائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں......... لیکن وہاں جا کر اگر جھوٹ بولے گا یا اپنی غلطی پر اڑا رہے گا تو یہ بڑی خطرناک بات ہے......... انبیاء علیہم السلام کی شان تو بہت بڑی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انبیاء کے وارثین پر بھی اللہ تعالیٰ بعض اوقات یہ فضل فرما دیتے ہیں کہ ان کو تمہاری حقیقت حال سے باخبر فرما دیتے ہیں......... چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب ہی نے حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت والا کی مجلس ہو رہی تھی۔ حضرت والا وعظ فرما رہے تھے......... ایک صاحب اسی مجلس میں دیوار یا تکیہ کا ٹیک لگا کر متکبرانہ انداز میں بیٹھ گئے۔ اسی طرح ٹیک لگا کر پاؤں پھیلا کر بیٹھنا مجلس کے ادب کے خلاف ہے......... اور جو شخص بھی مجلس میں آتا تھا......... وہ اپنی اصلاح ہی کی غرض سے آتا تھا......... اس لئے کوئی غلط کام کرتا تو حضرت والا کا فرض تھا کہ اس کو ٹوکیں......... چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو ٹوک دیا......... اور فرمایا کہ اس طرح بیٹھنا مجلس کے ادب کے خلاف ہے......... آپ ٹھیک سے ادب کے ساتھ بیٹھ جائیں......... ان صاحب نے بجائے سیدھے بیٹھنے کے عذر بیان کرتے ہوئے کہا۔ حضرت میری کمر میں تکلیف ہے اس کی وجہ سے میں اس طرح بیٹھا

ہوں......... بظاہر وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کا یہ ٹوکنا غلط ہے۔ اس لئے کہ آپ کو کیا معلوم کہ میں کس حالت میں ہوں۔ کس تکلیف میں مبتلا ہوں......... آپ کو مجھے ٹوکنا نہیں چاہئے تھا......... حضرت ڈاکٹر صاحب خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا آپ نے ایک لمحے کے لئے گردن جھکائی......... اور آنکھ بند کی۔ اور پھر گردن اٹھا کر اس سے فرمایا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں......... آپ کی کمر میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ آپ مجلس سے اٹھ جایئے......... یہ کہہ کر ڈانٹ کر اٹھا دیا......... اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کو کیا پتہ کہ اس کی کمر میں تکلیف ہے یا نہیں؟ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے کو کسی واقعے کی خبر عطا فرما دیتے ہیں......... لہذا بزرگوں سے جھوٹ بولنا......... یا ان کو دھوکہ دینا بڑی خطرناک بات ہے......... اگر غلطی ہو جائے......... اور کوتاہی ہو جائے اس کے بعد آدمی اس پر نادم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس پر توبہ کی توفیق دیدے تو ان شاء اللہ وہ گناہ اور غلطی معاف ہو جائے گی.........

بہر حال حضرت والا نے اس شخص کو مجلس سے اٹھا دیا......... بعد میں لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ واقعۃً حضرت والا نے صحیح فرمایا تھا......... میری کمر میں کوئی تکلیف نہیں تھی......... میں نے محض اپنی بات رکھنے کے لئے یہ بات بنائی تھی۔

(اصلاحی خطبات جلد ۵)

دکھ پریشانی کے وقت درود شریف پڑھیں

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب آدمی کو کوئی دکھ اور پریشانی ہو......... یا کوئی بیماری ہو یا کوئی ضرورت اور حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا تو کرنی چاہئے یا اللہ! میری اس حاجت کو پورا فرما دیجئے......... میری اس بیماری اور پریشانی کو دور فرما دیجئے لیکن ایک طریقہ ایسا

بتاتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو ضرور ہی پورا فرما دیں گے...... وہ یہ ہے کہ کوئی پریشانی ہو...... اس وقت درود شریف کثرت سے پڑھیں۔ اس درود شریف کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس پریشانی کو دور فرما دیں گے۔

دین کس چیز کا نام ہے؟

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے کام کی بات بیان فرماتے تھے...... دل پر نقش کرنے کے قابل ہے کہ "دین صرف زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے...... ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائے گی" یہی سب کام جواب تک تم انجام دے رہے تھے وہ سب عبادت بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام بن جائیں گے بشرطیکہ دو کام کر لو...... ایک نیت درست کر لو دوسرے اس کا طریقہ سنت کے مطابق انجام دے دو...... بس اتنا کرنے سے وہی کام دین بن جائیں گے...... اور بزرگوں کے پاس جانے سے یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ انسان کا زاویہ نگاہ بدل دیتے ہیں...... سوچ کا انداز بدل دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں انسان کے اعمال و افعال کا رخ صحیح ہو جاتا ہے۔

اتباع سنت پر اجر و ثواب

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "اگر ایک کام تم اپنی طرف سے اور اپنی مرضی کے مطابق کر لو اور وہی کام تم اتباع سنت کی نیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دیدو...... دونوں میں زمین و آسمان کا فرق محسوس کرو گے۔ جو کام تم اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے کرو گے...... وہ تمہارا اپنا کام ہو گا اس پر کوئی اجر و ثواب نہیں اور جو کام تم اتباع سنت کی نیت سے کرو گے تو اس میں سنت کی

اتباع کا اجر و ثواب اور سنت کی برکت اور نور شامل ہو جاتا ہے“

خلیفۃ الارض کو تریاق دے کر بھیجا

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر گناہ کی صلاحیت رکھی.......... اور پھر اس کو خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا.......... اور جس مخلوق میں گناہ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ اس کو اپنا خلیفہ بنانے کا اہل بھی قرار نہیں دیا.......... یعنی فرشتے کہ ان کے اندر گناہ کرنے کی صلاحیت اور اہلیت موجود نہیں.......... تو وہ خلافت کے بھی اہل نہیں.......... اور انسان کے اندر گناہ کی صلاحیت بھی رکھی.......... اور دنیا کے اندر بھیجنے سے پہلے نمونے اور مشق کے طور پر ایک غلطی بھی کروائی گئی.......... چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں بھیجا گیا تو یہ کہہ دیا گیا کہ پوری جنت میں جہاں چاہو جاؤ۔ جو چاہو کھاؤ۔ مگر اس درخت کو مت کھانا.......... اس کے بعد شیطان جنت میں پہنچ گیا۔ اور اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھکا دیا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے اس درخت کو کھا لیا۔ اور غلطی سرزد ہو گئی.......... یہ غلطی ان سے کروائی گئی.......... اس لئے کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن غلطی کروانے کے بعد ان کے اندر پریشانی.......... شرمندگی پیدا ہوئی کہ یا اللہ مجھ سے کیسی غلطی ہو گئی.......... اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو چند کلمات سکھائے۔ اور ان سے فرمایا کہ اب تم یہ کلمات کہو۔

”رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ“ (الاعراف: ۲۳)

قرآن کریم میں یہ فرمایا کہ ہم نے کلمات حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے.......... یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تھا کہ یہ کلمات ان کو سکھائے بغیر اور ان سے کہلوائے بغیر ویسے ہی معاف فرما دیتے.......... اور ان سے کہہ

دیتے کہ ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا.......... کیوں؟ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ کرا کے ان کو بتا دیا کہ جس دنیا میں تم جا رہے ہو.......... وہاں یہ سب کچھ ہو گا.......... وہاں بھی شیطان تمہارے پاس آئے گا.......... اور نفس بھی لگا ہوا ہو گا۔ اور کبھی تم سے کوئی گناہ کرائے گا۔ کبھی کوئی گناہ کرائے گا.......... اور تم جب تک ان کے لئے اپنے ساتھ تریاق لے کر نہیں جاؤ گے۔ اس وقت تک دنیا میں صحیح زندگی نہیں گزار سکو گے.......... وہ تریاق ہے "استغفار اور توبہ" لہذا غلطی اور استغفار دونوں چیزیں ان کو سکھا کر پھر فرمایا کہ اب دنیا میں جاؤ۔ اور یہ تریاق بھی بہت آسان ہے کہ زبان سے استغفار کر لے تو ان شاء اللہ وہ گناہ معاف ہو جائے گا۔

پچھلے گناہ بھلا دو

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم یہ دونوں قسم کی توبہ کر لو۔ تو اس کے بعد اپنے پچھلے گناہوں کو یاد بھی نہ کرو.......... بلکہ ان کو بھول جاؤ اس لئے کہ جن گناہوں سے تم توبہ کر چکے ہو۔ ان کو یاد کرنا۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی ناقدری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرما لیا ہے کہ جب استغفار کرو گے.......... اور توبہ کرو گے تو میں تمہاری توبہ کو قبول کر لوں گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دوں گا۔ اور تمہارے نامہ اعمال سے مٹا دوں گا.......... اب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ لیکن تم الٹا ان گناہوں کو یاد کر کے ان کا وظیفہ پڑھ رہے ہو۔ یہ اس کی رحمت کی ناقدری ہے۔ کیونکہ ان کی یاد بعض اوقات حجاب اور رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس لئے ان کو یاد مت کرو۔ بلکہ بھول جاؤ۔

یاد آنے پر استغفار کر لو

محقق اور غیر محقق میں یہی فرق ہوتا ہے۔ غیر محقق بعض اوقات الٹا کام بتا دیتے ہیں۔ میرے ایک دوست بہت نیک تھے۔ ہر وقت روزے سے ہوتے تھے.......... تہجد گزار تھے.......... ایک پیر صاحب سے ان کا تعلق تھا.......... وہ بتایا کرتے تھے کہ میرے پیر صاحب نے مجھے یہ کہا ہے کہ رات کو جب تم تہجد کی نماز کے لئے اٹھو تو تہجد پڑھنے کے بعد اپنے پچھلے سارے گناہوں کو یاد کیا کرو.......... اور ان کو یاد کر کے خوب رویا کرو.......... لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ طریقہ درست نہیں.......... اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو توبہ کے بعد ہمارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے.......... اور ہمارے نامہ اعمال سے مٹا دیا ہے۔ لیکن تم ان کو یاد کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ ابھی ان گناہوں کو نہیں مٹایا۔ اور میں تو ان کو مٹنے نہیں دوں گا.......... بلکہ ان کو یاد کروں گا تو اس طریقے میں اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کی ناقدری اور ناشکری ہے.......... اس لئے کہ جب انہوں نے تمہارے اعمال نامے سے ان کو مٹا دیا ہے تو اب ان کو بھول جاؤ۔ ان کو یاد مت کرو.......... اور اگر کبھی بے اختیار ان گناہوں کا خیال آجائے تو اس وقت استغفار پڑھ کر اس خیال کو ختم کر دو۔

حال کو درست کر لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھی بات بیان فرمائی.......... یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا کہ جب تم توبہ کر چکو تو پھر ماضی کی فکر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ جب توبہ کر لی تو یہ امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمائیں گے ان شاء اللہ۔ اور مستقبل کی فکر بھی چھوڑ دو کہ آئندہ کیا ہو گا۔ کیا نہیں ہو گا.......... حال جو اس وقت گزر رہا ہے.......... اس کی فکر کرو

کہ یہ درست ہو جائے .... یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزر جائے .... اور اس میں کوئی گناہ سرزد نہ ہو ....

آج کل ہمارا یہ حال ہے کہ یا تو ہم ماضی میں پڑے رہتے ہیں کہ ہم سے اتنے گناہ ہو چکے ہیں اب ہمارا کیا حال ہو گا۔ کس طرح بخشش ہو گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مایوسی پیدا ہو کر حال بھی خراب ہو جاتا ہے .... یا مستقبل کی فکر میں پڑے رہتے ہیں کہ اگر اس وقت توبہ کر لی تو آئندہ کس طرح گناہ سے بچیں گے .... ارے یہ سوچو کہ جب آئندہ وقت آئے گا۔ اس وقت دیکھا جائے گا .... اس وقت کی فکر کرو جو گزر رہا ہے اس لئے کہ یہی حال ماضی بن رہا ہے .... اور ہر مستقبل کو حال بننا ہے۔ اس لئے بس اپنے حال کو درست کر لو .... اور ماضی کو یاد کر کے مایوس مت ہو جاؤ .... حقیقت میں شیطان ہمیں بھکاتا ہے .... وہ یہ ورغلاتا ہے کہ اپنے ماضی کو دیکھو کہ تم کتنے بڑے بڑے گناہ کر چکے ہو۔ اور اپنے مستقبل کو دیکھو کہ تم سے مستقبل میں کیا بنے گا؟ اور ماضی اور مستقبل کے چکر میں ڈال کر ہمارے حال کو خراب کرتا رہتا ہے۔ اس لئے شیطان کے دھوکے میں مت آؤ۔ اور اپنے حال کو درست کرنے کی فکر کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ فکر عطا فرما دے آمین۔

مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے محبت کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے ہاتھوں کے گناہ جھاڑ دیتے ہیں .... لہذا مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لینی چاہئے کہ اس مصافحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کی بھی مغفرت فرمائیں گے .... اور ان کے بھی گناہوں کی مغفرت فرمائیں گے .... اور ساتھ میں یہ نیت بھی کر لے کہ یہ اللہ کا نیک بندہ جو مجھ سے مصافحہ کرنے کے لئے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ کی برکت میری طرف

منتقل فرمادیں گے...... خاص طور پر ہم جیسے لوگوں کے ساتھ ایسے مواقع بہت پیش آتے ہیں کہ جب کسی جگہ پر وعظ یا بیان کیا تو وعظ کے بعد لوگ مصافحہ کے لئے آگئے۔

ایسے موقع کے لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی بہت سارے لوگ مجھ سے مصافحہ کرنے کے لئے آتے ہیں تو میں بہت خوش ہوتا ہوں اس لئے خوش ہوتا ہوں کہ یہ سب اللہ کے نیک بندے ہیں کچھ پتہ نہیں کہ کون سا بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول بندہ ہے جب اس مقبول بندے کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھو جائے گا تو شاید اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی نوازش فرمادیں...... یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہیں۔ اس لئے جب بہت سے لوگ کسی سے مصافحہ کے لئے آئیں تو اس وقت آدمی کا دماغ خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے...... اور یہ خیال ہوتا ہے کہ جب اتنی ساری مخلوق مجھ سے مصافحہ کر رہی ہے...... اور میری معتقد ہو رہی ہے...... واقعۃً اب میں بھی بزرگ بن گیا ہوں۔ لیکن جب مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لی کہ شاید ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے نواز دیں۔ میری بخشش فرمادیں۔ تو اب سارا نقطہ نظر تبدیل ہو گیا...... اور اب مصافہ کرنے کے نتیجے میں تکبر اور اپنی بڑائی پیدا ہونے کے بجائے تواضع اور عاجزی...... اور شکستگی...... انکساری پیدا ہو گی۔ لہذا مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لیا کرو۔

ایک بزرگ کی مغفرت کا واقعہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ سے یہ واقعہ سنا کہ۔

"ایک بزرگ جو بہت بڑے محدث بھی تھے...... جنہوں نے ساری عمر حدیث کی خدمت میں گزاری۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو کسی شخص نے

خواب میں ان کی زیارت کی......... اور ان سے پوچھا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ نے کیسا معاملہ فرمایا۔ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ بڑا عجیب معاملہ ہوا۔ وہ یہ کہ ہم نے تو ساری عمر علم کی خدمت میں اور حدیث کی خدمت میں گزاری......... اور درس و تدریس اور تصنیف اور وعظ و خطابت میں گزاری۔ تو ہمارا خیال یہ تھا کہ ان اعمال پر اجر ملے گا......... لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کچھ اور ہی معاملہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ ہمیں تمہارا ایک عمل بہت پسند آیا......... وہ یہ کہ ایک دن تم حدیث شریف لکھ رہے تھے۔ جب تم نے اپنا قلم دوات میں ڈبو کر نکالا تو اس وقت ایک پیاسی مکھی آکر اس قلم کی نوک پر بیٹھ گئی......... اور سیاہی چوسنے لگی......... تمہیں اس مکھی پر ترس آگیا۔ تم نے سوچا کہ یہ مکھی اللہ کی مخلوق ہے......... اور پیاسی ہے......... یہ سیاہی پی لے تو پھر میں قلم سے کام کروں۔ چنانچہ اتنی دیر کے لئے تم نے اپنا قلم روک لیا۔ اور اس وقت تک قلم سے کچھ نہیں لکھا جب تک وہ مکھی اس قلم پر بیٹھ کر سیاہی چوستی رہی۔ یہ عمل تم نے خالص میری رضامندی کی خاطر کیا۔ اس لئے اس عمل کی بدولت ہم نے تمہاری مغفرت فرمادی۔ اور جنت الفردوس عطا کردی"

دیکھئے! ہم تو یہ سوچ کر بیٹھے ہیں کہ وعظ کرنا......... فتویٰ دینا......... تہجد پڑھنا......... تصنیف کرنا وغیرہ یہ بڑے بڑے اعمال ہیں......... لیکن وہاں ایک پیاسی مکھی کو سیاہی پلانے کا عمل قبول کیا جارہا ہے۔ اور دوسرے بڑے اعمال کا کوئی تذکرہ نہیں۔

حالانکہ اگر غور کیا جائے تو جتنی دیر قلم روک کر رکھا......... اگر اس وقت قلم نہ روکتے تو حدیث شریف ہی کا کوئی لفظ لکھتے......... لیکن اللہ کی مخلوق پر شفقت کی بدولت اللہ نے مغفرت فرمادی۔ اگر وہ اس عمل کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتے تو یہ فضیلت حاصل نہ ہوتی۔

لہذا کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسا عمل مقبول ہو جائے وہاں قیمت عمل کے حجم.......... سائز اور گنتی کی نہیں ہے۔ بلکہ وہاں عمل کے وزن کی قیمت ہے.......... اور یہ وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ نے بہت سے اعمال کئے.......... لیکن ان میں اخلاق نہیں تھا.......... تو گنتی کے اعتبار سے تو وہ اعمال زیادہ تھے.......... لیکن فائدہ کچھ نہیں۔ دوسری طرف اگر عمل چھوٹا سا ہو.......... لیکن اس میں اخلاص ہو تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا بن جاتا ہے۔ لہذا جس وقت دل میں کسی نیکی کا ارادہ پیدا ہو رہا ہے تو اس وقت دل میں اخلاص بھی موجود ہے۔ اگر اس وقت وہ عمل کر لو گے تو امید ہے کہ وہ ان شاء اللہ مقبول ہو جائے گا۔

(اصلاحی خطبات جلد ٦)

اب تو اس دل کو ترے قابل بنانا ہے مجھے

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ ؎

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو ترے قابل بنانا ہے مجھے

جو آرزوئیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں وہ چاہے برباد ہو جائیں.......... چاہے ان کا خون ہو جائے.......... اب میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ تیرے قابل مجھے اب تو اس دل کو بنانا ہے.......... اب اس دل میں اللہ جل جلالہ کے انوار کا نزول ہو گا.......... اب اس دل میں اللہ کی محبت جاگزیں ہو گی.......... اب یہاں گناہ نہیں ہوں گے پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور آدمی اس راہ پر چل پڑتا ہے۔ یاد رکھو کہ شروع شروع میں تو یہ کام کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ دل تو کچھ چاہ رہا ہے اور اللہ کی خاطر اس کام کو چھوڑے ہوئے ہیں اس میں بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن بعد میں اس

تکلیف میں ہی مزہ آنے لگتا ہے۔

عبادت کی لذت سے آشنا کر دو

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ نے ایک مرتبہ بڑی عجیب و غریب بات ارشاد فرمائی......... فرمایا کہ انسان کے اس نفس کو لذت اور مزہ چاہئے......... اس کی خوراک لذت اور مزہ ہے۔ لیکن اس کی کوئی خاص شکل نفس کو مطلوب نہیں کہ فلاں قسم کا مزہ چاہئے اور فلاں قسم کا نہیں چاہئے......... بس اس کو تو مزہ چاہئے۔ اب تم نے اس کو خراب قسم کے مزے کا عادی بنا دیا ہے اور خراب قسم کی لذتوں کا عادی بنا دیا ہے......... ایک مرتبہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی لذت سے آشنا کر دو پھر یہ نفس اسی میں لذت اور مزہ لینے لگے گا۔

معاہدہ کے بعد دعا

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات پر تھوڑا اضافہ فرماتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ معاہدہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! میں نے یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ آج کے دن گناہ نہیں کروں گا اور فرائض و واجبات سب ادا کر دوں گا......... شریعت کے مطابق چلوں گا......... حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی کروں گا......... لیکن یا اللہ آپ کی توفیق کے بغیر میں اس معاہدے پر قائم نہیں رہ سکتا......... اس لئے جب میں نے یہ معاہدہ کر لیا ہے تو آپ میرے اس معاہدے کی لاج رکھ لیجئے اور مجھے اس معاہدے پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمایئے اور مجھے عہد شکنی سے بچا لیجئے۔

یہ تکالیف اضطراری مجاہدات ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے زمانے میں لوگ جب اپنی اصلاح کرنے کے لئے کسی شیخ یا کسی بزرگ

کے پاس جاتے تو وہ بزرگ اور شیخ ان سے بہت سے مجاہدات اور ریاضتیں کرایا کرتے تھے۔ مجاہدات اختیاری ہوتے تھے۔ اب اس موجودہ دور میں وہ بڑے بڑے مجاہدات نہیں کرائے جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کو مجاہدات سے محروم نہیں فرمایا......... بلکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے بندوں سے اضطراری اور زبردستی مجاہدہ کرایا جاتا ہے۔ اور ان اضطراری مجاہدات کے ذریعہ انسان کو جو ترقی ہوتی ہے وہ اختیاری مجاہدات کے مقابلے میں زیادہ تیز رفتاری سے ہوتی ہے......... چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی میں اختیاری مجاہدات اتنے نہیں تھے۔ مثلاً ان کے یہاں یہ نہیں تھا کہ جان بوجھ کر فاقہ کیا جارہا ہے۔ یا جان بوجھ کر تکلیف دی جارہی ہے وغیرہ لیکن ان کی زندگی میں اضطراری مجاہدات بے شمار تھے۔ چنانچہ کلمہ طیبہ پڑھنے کی پاداش میں ان کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا تھا......... سینے پر پتھر کی سلیں رکھی جاتی تھیں......... اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کی پاداش میں ان پر نہ جانے کیسے کیسے ظلم کئے جاتے تھے......... یہ سب مجاہدات اضطراری تھے۔ اور ان اضطراری مجاہدات کے نتیجے میں صحابہ کرام کے درجات اتنے بلند ہوگئے کہ اب کوئی غیر صحابی ان کے مقام کو چھو نہیں سکتا......... اس لئے فرمایا کہ اضطراری مجاہدات سے درجات زیادہ تیز رفتاری سے بلند ہوتے ہیں۔ اور انسان تیز رفتاری سے ترقی کرتا ہے۔ لہذا انسان کو جو تکالیف......... پریشانیاں اور بیماریاں آرہی ہیں۔ یہ سب اضطراری مجاہدات کرائے جارہے ہیں۔ اور جس کو ہم تکلیف سمجھ رہے ہیں۔ حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت کا عنوان ہوتی ہیں۔ انسان کے بس کا کام نہیں کہ وہ ان کا ادراک بھی کر سکے۔ ہمیں کیا معلوم کہ کون سے وقت میں اللہ تعالیٰ کی کون سی حکمت جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دو گے

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ محاسبہ کا

ایک طریقہ یہ ہے کہ یہ تصور کرو کہ آج تم میدان حشر کے اندر کھڑے ہو۔ اور تمہارا حساب و کتاب ہو رہا ہے۔ نامہ اعمال پیش کر رہے ہیں۔ تمہارے نامہ اعمال کے اندر تمہارے برے اعمال درج ہیں......... وہ سب سامنے آرہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے سوال کر رہے ہیں کہ تم نے یہ برے اعمال اور گناہ کیوں کئے تھے؟ کیا اس وقت تم اللہ تعالیٰ کو وہی جواب دو گے جو آج تم مولویوں کو دیتے ہو؟ آج جب تم سے کوئی مولوی یا مصلح یہ کہتا ہے کہ فلاں کام مت کرو......... نگاہ کی حفاظت کرو......... سود سے بچو......... غیبت اور جھوٹ سے بچو......... ٹی وی کے اندر جو فحاشی اور عریانی کے پروگرام آرہے ہیں......... ان کو مت دیکھو......... شادی بیاہ کی تقریبات میں بے پردگی سے بچو۔ تو ان باتوں کے جواب میں تم مولوی صاحب کو یہ جواب دیتے ہو کہ ہم کیا کریں۔ زمانہ ہی ایسا خراب ہے......... ساری دنیا ترقی کر رہی ہے......... چاند پر پہنچ گئی ہے......... کیا ہم ان سے پیچھے رہ جائیں......... اور دنیا سے کٹ کر بیٹھ جائیں۔ اور آج کے اس معاشرے میں یہ سب کام کئے بغیر آدمی کا گزارہ نہیں ہے۔ یہ وہ جواب ہے جو آج تم مولویوں کے سامنے دیتے ہو......... کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی یہی جواب دو گے؟ کیا یہ جواب وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے کافی ہو گا؟ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچ کر بتاؤ۔ اگر یہ جواب وہاں نہیں چلے گا تو پھر آج دنیا میں بھی یہ جواب کافی نہیں ہو سکتا۔

(اصلاحی خطبات جلد ۷)

گناہ کے تقاضے کے وقت یہ تصور کر لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کا تصور کرنا چاہے تو بسا اوقات اللہ تعالیٰ کا دھیان اور تصور نہیں بنتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو کبھی دیکھا تو ہے نہیں......... اور تصور تو اس چیز کا ہو سکتا ہے جس کو انسان نے دیکھا ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا تصور اور

دھیان کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ لیکن جب گناہ کا داعیہ پیدا ہو تو ایک چیز کا تصور اور دھیان کر لیا کرو۔ اور وہ یہ کہ میں جس گناہ کے کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں.......... اگر اس گناہ کے ارتکاب کے وقت میرا باپ مجھے دیکھ لے۔ یا میری اولاد مجھے دیکھ لے۔ یا میرے استاذ مجھے دیکھ لیں۔ یا میرے شاگرد مجھے دیکھ لیں۔ یا میرے دوست احباب مجھے دیکھ لیں تو کیا اس وقت بھی میں یہ گناہ کا کام کروں گا؟

مثلاً نگاہ کو غلط جگہ پر ڈالنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا.......... اس وقت ذرا یہ سوچو کہ اگر اس وقت تمہارا شیخ تمہیں دیکھ رہا ہو.......... یا تمہارا باپ تمہیں دیکھ رہا ہو۔ یا تمہاری اولاد تمہیں دیکھ رہی ہو۔ تو کیا اس وقت بھی آنکھ غلط جگہ کی طرف اٹھاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ نہیں اٹھاؤ گے۔ اس لئے کہ یہ خوف ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تو یہ لوگ مجھے برا سمجھیں گے۔ لہذا جب ان معمولی درجے کی مخلوق کے سامنے شرمندہ ہونے کے ڈر سے اپنے داعیے پر قابو پا لیتے ہو اور نگاہ کو روک لیتے ہو.......... تو ہر گناہ کے وقت یہ تصور کر لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک ہے اور ان سب کا خالق اور مالک ہے.......... وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس تصور سے ان شاء اللہ تعالیٰ دل میں ایک رکاوٹ پیدا ہو گی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں.......... اور اس سے محبت کی دعائیں مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرما رہے ہیں کہ تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم نے مجھے دیکھا تو ہے نہیں کہ براہ راست تم مجھ سے محبت کر سکو.......... اور مجھ سے اسی طرح کا تعلق قائم کر سکو جیسے کسی چیز کو دیکھتے ہوئے کیا جا سکتا

ہے......... لیکن اگر تمہیں مجھ سے تعلق قائم کرنا ہے تو میں نے دنیا میں اپنی محبت کا مظہر ان بندوں کو بنایا ہے۔ لہذا تم میرے بندوں سے محبت کرو۔ اور میرے بندوں پر رحم کھاؤ اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو......... اس سے میری محبت پیدا ہو گی۔ اور مجھ سے محبت کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے......... لہذا یہ سمجھنا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ بندے کیا چیز ہیں؟ یہ مخلوق کیا چیز ہیں؟ یہ تو حقیر ہیں۔ اور پھر ان مخلوق کی طرف حقارت کی نگاہ ڈالنا......... ان کو برا سمجھنا۔ اور ان کو کمتر جاننا......... یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے جو محبت ہے......... وہ جھوٹی محبت ہے......... اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہو گی......... اس کو اللہ کی مخلوق سے ضرور محبت ہو گی۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں اور اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی بے چینی کو دور کرے......... اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

ایک مکھی پر شفقت کا عجیب واقعہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ سے بارہا یہ واقعہ سنا کہ ایک بزرگ تھے جو بہت بڑے عالم......... فاضل محدث اور مفسر تھے۔ ساری عمر درس و تدریس اور تالیف و تصنیف میں گزری......... اور علم کے دریا بہا دیئے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو خواب میں کسی نے ان کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ کے ساتھ کیسا معاملہ ہوا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ مجھ پر اپنا فضل فرمایا۔ لیکن معاملہ بڑا عجیب ہوا......... وہ یہ کہ ہمارے ذہن میں یہ تھا کہ ہم نے الحمدللہ زندگی میں دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ درس و تدریس کی خدمت انجام دی......... وعظ اور تقریریں کیں۔

تالیفات اور تصنیفات کیں۔ دین کی تبلیغ کی.......... حساب و کتاب کے وقت ان خدمات کا ذکر سامنے آئے گا۔ اور ان خدمات کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہیں بخشتے ہیں.......... لیکن معلوم بھی ہے کہ کس وجہ سے بخش رہے ہیں؟ ذہن میں یہ آیا کہ ہم نے دین کی جو خدمات انجام دیں تھیں۔ ان کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں۔ ہم تمہیں ایک اور وجہ سے بخشتے ہیں۔ وہ یہ کہ ایک دن تم کچھ لکھ رہے تھے.......... اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے۔ اس قلم کو روشنائی میں ڈبو کر پھر لکھا جاتا تھا.......... تم نے لکھنے کے لئے اپنا قلم روشنائی میں ڈبویا۔ اس وقت ایک مکھی اس قلم پر بیٹھ گئی۔ اور وہ مکھی قلم کی سیاہی چوسنے لگی.......... تم اس مکھی کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے رک گئے۔ اور یہ سوچا کہ یہ مکھی پیاسی ہے.......... اس کو روشنائی پی لینے دو.......... میں بعد میں لکھ لوں گا۔ تم نے اس وقت قلم کو روکا تھا.......... وہ خالصتہً میری محبت اور میری مخلوق کی محبت میں اخلاص کے ساتھ روکا تھا۔ اس وقت تمہارے دل میں کوئی اور جذبہ نہیں تھا۔ جاؤ.......... اس عمل کے بدلے میں آج ہم نے تمہاری مغفرت کر دی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ نے بھی "ادائے حقوق" کا جیسا اہتمام کر کے دکھایا.......... وہ اپنی مثال آپ ہی ہے۔ اس بات کو شاید کوئی مبالغہ سمجھے.......... لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت والاؒ نے تمام عمر کبھی اپنی اہلیہ محترمہ سے نہ صرف یہ کہ کبھی لہجہ بدل کر بات نہیں کی.......... بلکہ کبھی یہ بھی نہیں فرمایا کہ "فلاں کام کردو" وہ خود اپنی خوشی سے حضرتؒ کی خدمت فرماتی تھیں.......... لیکن حضرتؒ نے کبھی ان سے پانی پلانے کیلئے بھی نہیں کہا یہ بات خود حضرت نے بھی ہماری تربیت کی خاطر ارشاد فرمائی تھی).......... اور حضرت کی اہلیہ محترمہ نے احقر کی بیوی سے بھی اس کا کئی بار ذکر فرمایا۔

اندازہ فرمایئے کہ تقریباً ساٹھ سالہ رفاقت ہے.......... اور رفاقت بھی وہ ازدواجی رفاقت جس میں سرد و گرم حالات دنیا میں سب سے زیادہ پیش آتے ہیں.......... ناگوار امور بھی خواہی نخواہی سامنے آتے رہتے ہیں.......... لیکن اس طویل مدت میں غصہ کے اظہار کے تو کیا معنی کبھی بدلے ہوئے لہجے سے بھی خطاب نہیں فرمایا۔ پھر عموماً شوہر اپنا حق سمجھتے ہیں کہ بیوی سے اپنا کام لیں.......... لیکن حضرتؒ نے تمام عمر کبھی کوئی چیز اٹھانے یا رکھنے تک میں از خود انہیں کوئی کام کرنے کے لئے نہیں فرمایا.......... اللہ اکبر! لوگ ہوا میں اڑنے اور پانی پر چلنے کو کرامت سمجھتے ہیں.......... لیکن اس جیتی جاگتی زندگی میں اس سے بڑی کرامت کیا ہو گی؟ یہ کام صرف وہ شخص انجام دے سکتا ہے جس نے اپنی ذات کو بالکل فنا کر کے اسے شریعت و سنت پر قربان کر دیا ہو.......... حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ، وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِنِسَائِيْ

تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہوں اور میں اپنی عورتوں کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔

اس سنت عظیمہ پر عمل کا یہ انداز جو حضرت والاؒ نے اختیار فرمایا.......... وہ آپ سے پہلے نہ کبھی دیکھا.......... نہ سنا.......... اور اگر خود حضرت والاؒ اور آپ کی اہلیہ محترمہ سے براہ راست یہ بات نہ سنی ہوتی تو اس دور میں اس کا تصور بھی مشکل تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی حیات طیبہ اسی سنت پر عمل سے عبارت تھی۔ وہ بھی بظاہر اپنے دوست احباب اور عزیز و اقربا کے ساتھ گھلے ملے رہتے تھے.......... گھر میں خوش طبعی کی باتیں کرتے.......... بچوں کو چھیڑتے.......... لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ قلب رجوع الی اللہ میں مشغول رہتا تھا۔ فرماتے تھے کہ جب کبھی کوئی شخص کوئی سوال پوچھتا ہے تو الحمد للہ! کبھی اس میں تخلف نہیں ہوتا کہ چند لمحوں کے لئے

دل ہی دل میں دعا کرتا ہوں کہ "یا اللہ! میں کیا جواب دوں گا؟ اپنے فضل سے صحیح جواب دل میں ڈال دیجئے" اس کے بعد جواب دیتا ہوں۔

اسی طرح فرمایا کہ جب کبھی اپنے احباب میں سے کسی کو اس کی کسی غلطی پر تنبیہ کرتا ہوں تو اگرچہ لہجہ غصے کا اختیار کرتا ہوں.......... مگر دو باتوں کا استحضار بحمداللہ ہمیشہ رہتا ہے.......... ایک یہ کہ عین اسی ڈانٹ ڈپٹ کے دوران دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا رہتا ہوں کہ "یا اللہ! مجھ سے اس طرح مواخذہ نہ فرمایئے گا" دوسرے عین اس غصے کے اظہار کے وقت بھی اپنے آپ کو مخاطب سے افضل نہیں سمجھتا.......... بلکہ اپنی مثال اس جلاد کی سی سمجھتا ہوں جسے بادشاہ نے کسی شہزادے کو سزا دینے پر مامور کیا ہو۔ وہ جلاد بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں شہزادے کو سزا تو دیتا ہے.......... لیکن اگر اس میں عقل کا ذرہ بھی موجود ہے تو کبھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ شہزادے سے افضل ہے.......... وہ سزا دیتے وقت بھی دل سے یہی سمجھتا رہتا ہے کہ افضل شہزادہ ہی ہے.......... اور میں تو درحقیقت بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں سزا کا ایک بے حقیقت آلہ بنا ہوا ہوں۔

اللہ اکبر! جس ذات گرامی کی عبدیت و فنائیت اور رجوع الی اللہ کا یہ مقام ہو.......... اس نے اپنے خاص متوسلین کو رجوع الی اللہ کی کس منزل تک پہنچا دیا ہو گا؟

چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ کی حیات طیبہ میں بھی تعلق مع اللہ کی عجیب و غریب کیفیت ہم جیسے بے ذوق خدام کو بھی محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ شاید یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کہ حضرت والاؒ اپنی زندگی کے ہر کام اور ہر نقل و حرکت میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اسی سے مدد مانگنے کے عادی تھے چھوٹے سے چھوٹے کام میں اس سے ذہول نہیں ہوتا تھا۔ اپنے خدام سے فرمایا کرتے تھے کہ ہر کام سے پہلے "ایاك نعبدو ایاك نستعین"

کہنے کی عادت ڈالو.......... بلکہ ہر وقت دل ہی دل میں یہ رٹ لگاؤ کہ "یا اللہ! اب کیا کروں؟" پھر دیکھو کہ کیا سے کیا ہو جاتا ہے؟

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال اس بات کی باقاعدہ مشق کی ہے کہ صبح سے شام تک کی زندگی کا ہر کام اتباع سنت کی نیت سے کیا جائے۔ اور مشق اس طرح کی ہے کہ لذیذ کھانا سامنے آیا.......... بھوک لگی ہوئی ہے.......... دل چاہ رہا ہے کہ اسے کھائیں.......... لیکن چند لمحوں کے لئے نفس کو کھانے سے روک لیا.......... "نفس کی خواہش پر نہیں کھائیں گے" پھر سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور ان کی عطا ہے.......... اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ نعمائے خداوندی کو شکر ادا کر کے استعمال فرماتے تھے اب اس سنت کی اتباع میں کھائیں گے۔ گھر میں داخل ہوئے.......... بچہ پیارا معلوم ہوا.......... دل چاہا کہ اسے گود میں اٹھا کر اس سے دل بہلائیں۔ لیکن چند لمحوں کے لئے نفس کو روکا کہ نفس کی خواہش پر اسے نہیں اٹھائیں گے.......... پھر چند لمحوں بعد مراقبہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے محبت فرماتے تھے.......... اور انہیں کھلایا کرتے تھے.......... اب آپؐ کی اس سنت کی اتباع میں اٹھائیں گے۔ ٹھنڈا پانی سامنے آیا.......... پیاس لگی ہوئی ہے.......... اور دل کی خواہش ہے کہ اسے جلدی سے پی لیا جائے.......... لیکن کچھ وقفے کے لئے اپنے آپ کو روکا.......... اور کہا کہ صرف دل کی خواہش پر پانی نہیں پئیں گے.......... پھر تھوڑے وقفے کے بعد استحضار کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا.......... آپؐ کی سنت کی اتباع میں پئیں گے.......... اور انہیں آداب کے ساتھ پئیں گے جن کی آپؐ رعایت فرمایا کرتے۔

ایک اور عجیب و غریب واقعہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ سے کئی بار سنا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے خسر بھی تھے......... اور پھوپھا بھی......... اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے مجاز صحبت بھی) حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے پاس تھانہ بھون گئے ہوئے تھے۔ میں نے بھی وہاں حاضری کا ارادہ کر لیا......... اور سفر کے تمام انتظامات مکمل کر کے حضرتؒ کو اطلاع بھی دے دی کہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ اتفاق سے انہی دنوں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے تھانہ بھون سے (غالباً کانپور ہی کے) سفر کا ارادہ فرما لیا۔ اس موقع پر حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحبؒ نے حضرت سے عرض کیا کہ "حضرت سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں......... اور عبدالحئی (قدس سرہ) یہاں آنے والے ہیں" اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ "میں نے انہیں منع کر دیا ہے" حضرت ڈپٹی صاحبؒ مطمئن ہو گئے کہ شاید خط یا تار وغیرہ کے ذریعہ روک دیا ہو گا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ادھر میں سفر کا بالکل پختہ ارادہ کر چکا تھا......... تمام انتظامات مکمل تھے......... لیکن جب سفر کا وقت آیا تو قلب میں سفر کی طرف سے اس قدر شدید انقباض پیدا ہوا کہ میں عجیب تردد کا شکار ہو گیا......... طبیعت کو بہت آمادہ کرنے کی کوشش کی......... لیکن دل کسی طرح آمادہ نہ ہوتا تھا......... ہزار بار دل کو سمجھایا کہ تمام انتظامات مکمل ہیں......... اطلاع بھی دے چکا ہوں......... تھانہ بھون حاضری کا موقع بھی بہترین ہے......... لیکن انقباض تھا کہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک میں نے مجبور ہو کر سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ حضرتؒ سفر پر روانہ ہو چکے تھے......... اور اس کے بعد (غالباً کانپور ہی میں) حضرت سے ملاقات ہوئی تو میں نے سارا واقعہ آپ سے ذکر کیا۔ ادھر حضرت ڈپٹی صاحبؒ جو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضرتؒ نے کسی خط کے ذریعہ مجھے روک دیا ہے......... انہیں جب یہ پتہ چلا کہ میرے

پاس حضرت کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں پہنچی تو وہ بھی بہت حیران ہوئے.......... اور حضرتؒ سے پوچھا.......... تو حضرت نے اس مفہوم کی کوئی بات ارشاد فرمائی کہ "کیا ایک مومن کے قلب میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ وہ اپنے کسی دوست کو کوئی پیغام پہنچا سکے؟"

اللہ اکبر! حضرت حکیم الامت قدس سرہ.......... کا معمول تصرفات وغیرہ کے طریقے استعمال کرنے کا نہیں تھا.......... نہ ان چیزوں کو کوئی خاص اہمیت دیتے تھے.......... لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ کے ساتھ تعلق خاطر کا یہ عالم کہ اس پر جتنا غور کیجئے.......... شیخ و مرید دونوں کے مقام بلند اور باہم تعلق کا غیر معمولی انداز سامنے آتا ہے کہ ؎

جو سانس آرہا ہے کسی کا پیام ہے

(اصلاحی خطبات جلد ۸ + "البلاغ" عارفی نمبر)

باب چہارم

دیوبند کے چند نامور اکابر کے ارشادات

مسجد میں جانے کا شوق

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجلس میں اس پر یہ مثال دی کہ ایک شخص جنگل اور ویرانے میں اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ اور آس پاس کوئی آبادی بھی نہیں۔ بس میاں بیوی دونوں اکیلے رہتے ہیں۔ اب میاں صاحب کو آبادی کی مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہو گیا.......... اب بیوی کہتی ہے کہ یہ تو جنگل اور ویرانہ ہے۔ اگر تم نماز پڑھنے آبادی کی مسجد میں چلے گئے تو مجھے اس ویرانے میں ڈر لگے گا۔ اور ڈر کے مارے میری جان نکل جائے گی.......... اس لئے بجائے مسجد جانے کے آج تم یہیں نماز پڑھ لو.......... حضرت والا فرماتے ہیں کہ وہ میاں صاحب تو تھے شوقین.......... چنانچہ شوق میں آکر اپنی بیوی کو وہیں جنگل میں اکیلا چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے فرمایا کہ یہ شوق پورا کرنا ہے ۔ یہ دین نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس وقت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ گھر میں نماز پڑھتا۔ اور اپنی بیوی کی یہ پریشانی دور کرتا۔

یہ اس وقت ہے جہاں بالکل ویرانہ ہے۔ کوئی آبادی نہیں ہے البتہ جہاں آبادی ہو تو وہاں مسجد میں جا کر نماز پڑھنی چاہئے۔

لہذا اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں.......... کسی کو جہاد میں جانے کا شوق۔ کسی کو تبلیغ میں جانے کا شوق.......... کسی کو مولوی بننے کا شوق کسی کو مفتی بننے کا شوق اور اس شوق کو پورا کرنے کے نتیجے میں ان حقوق کا کوئی خیال نہیں جو اس پر عائد ہو رہے ہیں اس بات کا کوئی خیال نہیں کہ اس وقت میں ان حقوق کا تقاضا کیا ہے؟

یہ جو کہا جاتا ہے کہ کسی شیخ سے تعلق قائم کرو.......... یہ در حقیقت اسی لئے ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس وقت کا کیا تقاضا ہے؟ اس وقت تمہیں کونسا کام

کرنا چاہئے ؟ اب یہ باتیں اس وقت کہہ رہا ہوں۔ اس کو کوئی آگے اس طرح نقل کر دے گا کہ وہ مولانا صاحب یہ کہہ رہے تھے کہ مفتی بننا بری بات ہے۔ یا تبلیغ کرنا بری بات ہے۔ وہ صاحب تو تبلیغ کے مخالف ہیں۔ کہ تبلیغ میں اور چلے میں نہیں جانا چاہئے۔ یا جہاد میں نہیں جانا چاہئے ارے بھائی یہ سب کام اپنے اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام ہیں۔ یہ دیکھو کہ کس وقت کا کیا تقاضا ہے ؟ تم سے کس وقت کیا مطالبہ ہو رہا ہے ؟ اس مطالبے اور تقاضے پر عمل کرو۔ اپنے دل و دماغ سے ایک راستہ متعین کر لیا اور اس پر چل کھڑے ہوئے.......... یہ دین نہیں ہے۔ دین یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ اس وقت کس بات کا حکم دے رہے ہیں ؟

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ.......... اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ان حضرات میں سے تھے جن کے قلب پر اللہ تعالیٰ کانٹے کی بات القا فرماتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں.......... اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے.......... اس کا نام دین نہیں کہ فلاں کام کا شوق ہو گیا۔ لہذا اب تو وہی کام کریں گے۔ مثلاً علم دین پڑھنے اور عالم بننے کا شوق ہو گیا۔ اس سے قطع نظر کہ تمہارے لئے عالم بننا جائز بھی ہے یا نہیں ؟ گھر میں ماں بیمار پڑی ہے.......... باپ بیمار پڑا ہے۔ اور گھر میں دوسرا کوئی تیمار داری کرنے والا اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا موجود نہیں.......... لیکن آپ کو شوق ہو گیا کہ عالم بنیں گے.......... چنانچہ ماں باپ کو بیمار چھوڑ کر مدرسہ میں پڑھنے چلے گئے۔ یہ دین کا کام نہیں ہے.......... یہ اپنا شوق پورا کرنا ہے۔ دین کا کام تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ چھوڑ کر ماں کی خدمت کرو۔ باپ کی خدمت کرو۔

نماز میں آنکھ بند کرنے کا حکم

یہ واقعہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے بیان فرمایا......... اور حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بات دراصل یہ تھی کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے نماز پڑھنے کا جو سنت طریقہ بتایا وہ یہ تھا کہ آنکھیں کھول کر نماز پڑھو......... سجدہ کی جگہ پر نگاہ ہونی چاہئے......... یہ ہمارا بتایا ہوا طریقہ ہے......... اگرچہ دوسرا طریقہ جائز ہے......... گناہ نہیں ہے......... لیکن سنت کا نور اس میں حاصل نہیں ہو سکتا......... اگرچہ فقہا کرام نے یہ فرمایا کہ اگر نماز میں خیالات بہت آتے ہیں......... اور خشوع حاصل کرنے کے لئے اور خیالات کو دفع کرنے کے لئے کوئی شخص آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتا ہے تو کوئی گناہ نہیں......... جائز ہے مگر پھر بھی خلاف سنت ہے......... کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کبھی کوئی نماز آنکھیں بند کر کے نہیں پڑھی......... اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کبھی کوئی نماز آنکھ بند کر کے نہیں پڑھی......... اس لئے فرمایا کہ ایسی نماز میں سنت کا نور نہیں ہوگا۔

(لم یکن من هدیه صلی الله علیه وسلم تغمیض عینیه فی الصلاة زاد المعاد لا بن قیم ج۱ ص۷۵)

ایک بزرگ کا آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں بیان کیا کہ ان کے قریب کے زمانے میں ایک بزرگ تھے......... وہ جب نماز پڑھا کرتے تھے تو آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتے تھے......... اور فقہا کرام نے لکھا ہے کہ نماز میں ویسے تو آنکھ بند کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو اس کے بغیر خشوع

حاصل نہ ہوتا ہو......... تو اس کے لئے آنکھ بند کر کے نماز پڑھنا جائز ہے کوئی گناہ نہیں ہے......... تو وہ بزرگ نماز بہت اچھی پڑھتے تھے......... تمام ارکان میں سنت کی رعایت کے ساتھ پڑھتے تھے......... لیکن آنکھ بند کر کے نماز پڑھتے تھے......... اور لوگوں میں ان کی نماز مشہور تھی......... کیونکہ نہایت خشوع خضوع اور نہایت عاجزی کے ساتھ نماز پڑھتے تھے......... وہ بزرگ صاحب کشف بھی تھے......... ایک مرتبہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یا اللہ! میں یہ جو نماز پڑھتا ہوں میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے یہاں میری نماز قبول ہے یا نہیں؟ اور کس درجہ میں قبول ہے؟ اور اس کی صورت کیا ہے؟ وہ مجھے دکھا دیں......... اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی......... اور ایک نہایت حسین و جمیل عورت سامنے لائی گئی......... جس کے سر سے لے کر پاؤں تک تمام اعضا میں نہایت تناسب اور توازن تھا......... ان بزرگ نے پوچھا کہ یا اللہ! یہ اتنے اعلیٰ درجہ کی حسن و جمال والی خاتون ہے......... مگر اس کی آنکھیں کہاں ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ تم جو نماز پڑھتے ہو......... وہ آنکھیں بند کر کے پڑھتے ہو......... اس واسطے تمہاری نماز ایک اندھی عورت کی شکل میں دکھائی گئی ہے۔

دنیا والوں کا کب تک خیال کرو گے؟

ہمارے بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ......... اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے......... آمین۔ اس دور کے اندر اللہ تعالیٰ نے جنتی بزرگ پیدا فرمائے تھے......... ان کے گھر کی بیٹھک میں فرشی نشست تھی......... گھر کی خواتین کے دل میں یہ خیال آیا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے......... فرشی نشست کا زمانہ نہیں رہا......... اس لئے آکر مولانا سے کہا کہ اب آپ یہ فرشی نشست ختم کر دیں اور صوفے وغیرہ لگا دیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ مجھے تو نہ صوفے کا شوق ہے......... اور نہ مجھے اس

پر آرام ملے.......... مجھے تو فرش پر بیٹھ کر آرام ملتا ہے.......... میں تو اسی پر بیٹھ کر کام کروں گا.......... خواتین نے کہا کہ آپ کو اس پر آرام ملتا ہے.......... مگر دنیا والوں کا تو کچھ خیال کر لیا کرو.......... جو آپ کے پاس ملنے کے لئے آتے ہیں۔ ان کا ہی کچھ خیال کر لو.......... اس پر حضرت مولانا نے کیا عجیب جواب دیا.......... فرمایا بی بی! دنیا والوں کا تو میں خیال کر لوں.......... لیکن یہ تو بتاؤ کہ دنیا والوں نے میرا کیا خیال کر لیا؟ میری وجہ سے کسی نے اپنے طرز زندگی میں.......... کوئی تبدیلی لائی ہو جب انہوں نے میرا خیال نہیں کیا تو میں ان کا کیوں خیال کروں؟

"بندہ" اپنی مرضی کا نہیں ہوتا

حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! ایک ہوتا ہے "ملازم اور نوکر" ملازم اور نوکر خاص وقت اور خاص ڈیوٹی کا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ملازم آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے۔ آٹھ گھنٹے کے بعد اس کی چھٹی۔ اور ایک ہوتا ہے "غلام" جو نہ وقت کا ہوتا ہے اور نہ ڈیوٹی کا ہوتا ہے۔ وہ تو حکم کا ہے۔ اگر آقا اس سے کہے کہ تم یہاں قاضی اور جج بن کر بیٹھ جاؤ۔ اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرو۔ تو وہ قاضی بن کر فیصلے کرے گا۔ اور اگر آقا اس سے کہہ دے کہ پاخانہ اٹھاؤ تو وہ پاخانہ اٹھائے گا۔ اس کے لئے نہ وقت کی قید ہے اور نہ کام کی قید.......... بلکہ آقا جیسا کہہ دے غلام کو ویسا ہی کرنا ہو گا۔

"غلام" سے آگے بھی ایک درجہ اور ہے۔ وہ ہے "بندہ" وہ غلام سے بھی آگے ہے۔ اس لئے کہ "غلام" کم از کم اپنے آقا کی پرستش تو نہیں کرتا ہے لیکن "بندہ" اپنے آقا کی عبادت اور پرستش بھی کرتا ہے۔ اور "بندہ" اپنی مرضی کا نہیں ہوتا ہے.......... بلکہ اپنے آقا کی مرضی کا ہوتا ہے۔ وہ جو کہے وہ کرے.......... دین کی روح اور حقیقت یہی ہے۔

انگریز کے کہنے پر گھٹنے بھی کھول دیئے

ہمارے بزرگ تھے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ............ وہ ایک تقریر میں فرمانے لگے کہ اب ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹخنے کھول دو............ اور ٹخنے ڈھکنا جائز نہیں تو اس وقت ہم لوگ ٹخنے کھولنے کو تیار نہیں تھے اور جب انگریز نے کہا کہ گھٹنہ کھول دو............ اور نیکر پہن لو............ تو اب گھٹنہ کھولنے کو تیار ہو گئے۔ تو انگریز کے حکم پر گھٹنہ بھی کھول دیا۔ اور نیکر پہن لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ٹخنے کھولنے پر تیار نہیں............ یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے............ ارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بھی کچھ تقاضے ہیں............ لہذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو ناپسند فرمایا تو ایک مسلمان کو کس طرح یہ گوارا ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے خلاف کرے۔

دعوت کا انوکھا واقعہ

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں............ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس اللہ سرہ............ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین............ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بہت گہرے دوستوں میں سے تھے............ لاہور میں قیام تھا............ ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تو دارالعلوم کورنگی میں حضرت والد صاحبؒ سے ملنے کے لئے بھی تشریف لائے............ چونکہ اللہ والے بزرگ تھے............ اور والد صاحب کے بہت مخلص دوست تھے۔ اس لئے ان کی ملاقات سے والد صاحب بہت خوش ہوئے............ صبح دس بجے کے قریب دارالعلوم پہنچے تھے۔ والد صاحب نے انؒ سے پوچھا کہ کہاں قیام ہے؟ فرمایا کہ آگرہ کالونی میں ایک صاحب کے یہاں قیام ہے۔ کب واپس تشریف لے جائیں گے؟ فرمایا کل ان شاء اللہ واپس لاہور روانہ

ہو جاؤں گا.......... بہر حال.......... کچھ دیر بات چیت اور ملاقات کے بعد جب واپس جانے لگے تو والد صاحب نے ان سے فرمایا کہ بھائی مولوی ادریس.......... تم اتنے دنوں کے بعد یہاں آئے ہو.......... میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری دعوت کروں۔ لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہارا قیام آگرہ تاج کالونی میں ہے۔ اور میں یہاں کورنگی میں رہتا ہوں.......... اب اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ فلاں وقت میرے یہاں آکر کھانا کھائیں۔ تب تو آپ کو میں مصیبت میں ڈال دوں گا.......... اس لئے کل آپ کو واپس جانا ہے۔ کام بہت سے ہوں گے.......... اس لئے دل اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ آپ کو دوبارہ یہاں آنے کی تکلیف دوں۔ لیکن یہ بھی مجھے گوارہ نہیں ہے کہ آپ تشریف لائیں۔ اور بغیر دعوت کے آپ کو روانہ کردوں.......... اس لئے میری طرف سے دعوت کے بدلے یہ سو روپے ہدیہ رکھ لیں۔

مولانا محمد ادریس صاحبؒ نے وہ سو روپے کا نوٹ اپنے سر پر رکھ لیا.......... اور فرمایا کہ یہ تو آپ نے مجھے بہت بڑی نعمت عطا فرما دی.......... آپ کی دعوت کا شرف بھی حاصل ہو گیا.......... اور کوئی تکلیف بھی اٹھانی نہیں پڑی۔ اور پھر اجازت لے کر روانہ ہو گئے۔

کھانے کے اثرات کا واقعہ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ.......... جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ غالباً انہی کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ حضرت والا کی دعوت کی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے.......... کھانا شروع کیا.......... ایک نوالہ کھانے کے بعد معلوم ہوا کہ جس شخص نے دعوت کی ہے اس کی آمدنی حلال نہیں ہے.......... اس کی وجہ سے یہ کھانا حلال نہیں ہے.......... چنانچہ کھانا چھوڑ کر کھڑے ہو گئے.......... اور واپس چلے آئے.......... لیکن ایک نوالہ جو حلق میں

چلا گیا تھا۔ اس کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ ایک لقمہ جو میں نے حلق سے نیچے اتار لیا تھا۔ اس کی ظلمت اور تاریکی دو ماہ تک مجھے محسوس ہوتی رہی۔ وہ اس طرح کہ دو ماہ تک میرے دل میں گناہ کرنے کے داعیے بار بار دل میں پیدا ہوتے رہے۔ دل میں یہ تقاضا ہوتا کہ فلاں گناہ کر لوں۔ فلاں گناہ کر لوں۔ اب بظاہر تو اس میں کوئی جوڑ نظر نہیں آتا کہ ایک لقمہ کھا لینے میں اور گناہ کا تقاضا پیدا ہونے میں کیا جوڑ ہے؟ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں اس لئے محسوس نہیں ہوتا کہ ہمارا سینہ ظلمت کے داغوں سے بھرا ہوا ہے۔ جیسے ایک سفید کپڑے کے اوپر بے شمار سیاہ داغ لگے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد ایک داغ اور لگ جائے......... پتہ بھی نہیں چلے گا کہ نیا داغ کونسا ہے؟ لیکن اگر کپڑا سفید......... صاف......... شفاف ہو......... اس پر اگر ایک چھوٹا سا بھی داغ لگ جائے گا تو دور سے نظر آئے گا کہ داغ لگا ہوا ہے......... بالکل اسی طرح ان اللہ والوں کے دل آئینے کی طرف صاف شفاف ہوتے ہیں اس پر اگر ایک داغ بھی لگ جائے تو وہ داغ محسوس ہوتا ہے......... اور اس کی ظلمت نظر آتی ہے۔ چنانچہ ان اللہ کے بندے نے یہ محسوس کر لیا کہ اس ایک لقمہ کے کھانے سے پہلے تو نیکی کے داعیے بھی دل میں پیدا ہو رہے ہیں......... گناہوں سے نفرت ہے......... لیکن ایک لقمہ کھانے کے بعد دل میں گناہوں کے تقاضے پیدا ہونے لگے......... اس لئے بعد میں فرمایا کہ درحقیقت یہ اس ایک خراب لقمے کی ظلمت تھی۔ اس کا نام "برکت باطنی" ہے جب اللہ تعالیٰ یہ برکت باطنی عطا فرما دیتے ہیں تو پھر اس کے ذریعہ انسان کے باطن میں ترقی ہوتی ہے۔ اخلاق اور خیالات درست ہو جاتے ہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ اور تواضع

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ.........
ایک مرتبہ کسی جگہ سے واپس کاندھلہ تشریف لا رہے تھے......... جب ریل

گاڑی سے کاندھلے کے اسٹیشن پر اترے تو وہاں دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی سر پر سامان کا بوجھ اٹھائے جارہا ہے......... اور بوجھ کی وجہ سے اس سے چلا نہیں جارہا ہے......... آپ کو خیال آیا کہ یہ شخص بیچارہ تکلیف میں ہے......... چنانچہ آپ نے اس بوڑھے سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کا تھوڑا سا بوجھ اٹھالوں اس بوڑھے نے کہا آپ کا بہت شکریہ اگر آپ تھوڑا سا اٹھالیں۔ چنانچہ مولانا صاحب اس کا سامان سر پر اٹھا کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے......... اب چلتے چلتے راستے میں باتیں شروع ہو گئیں......... حضرت مولانا نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہیں؟ اس نے کہا کہ میں کاندھلے جارہا ہوں مولانا نے پوچھا کہ کیوں جارہے ہیں؟ اس نے کہا کہ سنا ہے کہ وہاں ایک بڑے مولوی صاحب رہتے ہیں ان سے ملنے جارہا ہوں۔ مولانا نے پوچھا کہ وہ بڑے مولوی صاحب کون ہیں؟ اس نے کہا مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی......... میں نے سنا ہے کہ وہ بہت بڑے مولانا ہیں......... بڑے عالم ہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ ہاں وہ عربی تو پڑھ لیتے ہیں......... یہاں تک کہ کاندھلہ قریب آگیا کاندھلہ میں سب لوگ مولانا کو جانتے تھے......... جب لوگوں نے دیکھا کہ مولانا مظفر حسین صاحب سامان اٹھائے جارہے ہیں تو لوگ ان سے سامان لینے کے لئے اور ان کی تعظیم و تکریم کے لئے ان کی طرف دوڑے......... اب ان بڑے میاں کی جان نکلنے لگی اور پریشان ہو گئے کہ میں نے اتنا بڑا بوجھ حضرت مولانا پر لاد دیا......... چنانچہ مولانا نے ان سے کہا کہ بھائی اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں......... میں نے دیکھا کہ تم تکلیف میں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خدمت کی توفیق دیدی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

زیادہ کھانا کمال نہیں

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بڑا حکیمانہ واقعہ ہے۔ ان کے زمانے میں آریہ سماج ہندوؤں نے

اسلام کے خلاف بڑا شور مچایا ہوا تھا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اُن آریہ سماج والوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے......... تاکہ لوگوں پر حقیقت حال واضح ہو جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ایک مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک آریہ سماج کے پنڈت سے مناظرہ تھا۔ اور مناظرہ سے پہلے کھانے کا انتظام تھا......... حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بہت تھوڑا کھانے کے عادی تھے......... جب کھانا کھانے بیٹھے تو حضرت والا چند نوالے کھا کر اٹھ گئے اور جو آریہ سماج کے عالم تھے......... وہ کھانے کے استاد تھے......... انہوں خوب ڈٹ کر کھایا......... جب کھانے سے فراغت ہوئی تو میزبان نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ حضرت آپ نے تو بہت تھوڑا سا کھانا کھایا......... حضرت نے فرمایا کہ مجھے جتنی خواہش تھی اتنا کھا لیا......... وہ آریہ سماج بھی قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حضرت سے کہا کہ مولانا آپ کھانے کے مقابلے میں تو ابھی سے ہار گئے......... اور یہ آپ کے لئے بد فالی ہے کہ جب آپ کھانے پر ہار گئے تو اب دلائل کا مقابلہ ہو گا تو اس میں بھی آپ ہار جائیں گے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بھائی اگر کھانے کے اندر مناظرہ اور مقابلہ کرنا تھا تو مجھ سے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کسی بھینس سے یا بیل سے کر لیا ہوتا۔ اگر اس سے مناظرہ کریں گے تو آپ یقیناً بھینس سے ہار جائیں گے میں تو دلائل میں مناظرہ کرنے آیا تھا کھانے میں مناظرہ اور مقابلہ کرنے تو نہیں آیا تھا.........

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اور تواضع

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ......... جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ بڑے اونچے درجے کے عالم تھے......... ان کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں بیان فرمایا کہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ان کے سامنے ان کی تعریف کرتا تو بالکل خاموش رہتے

تھے.......... کچھ بولتے نہیں تھے۔ جیسے آج کل بناوٹی تواضع اختیار کرتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرتا ہے تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ تو آپ کا حسن ظن ہے.......... ورنہ ہم تو اس قابل نہیں ہیں وغیرہ.......... حالانکہ دل میں بہت خوش ہوتے ہیں کہ یہ شخص ہماری اور تعریف کرے اور ساتھ ساتھ دل میں بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ لیکن ساتھ میں یہ الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں.......... یہ حقیقت میں بناوٹی تواضع ہوتی ہے.......... حقیقی تواضع نہیں ہوتی۔ لیکن حضرت مولانا یعقوب صاحب خاموش رہتے۔ اب دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ حضرت مولانا اپنی تعریف پر خوش ہوتے ہیں اپنی تعریف کرانا چاہتے ہیں اس لئے تعریف کرنے سے نہ تو روکتے ہیں نہ ٹوکتے ہیں اور نہ ہی اس کی تردید کرتے ہیں.......... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ ان کے اندر تواضع نہیں ہے۔ حالانکہ ان باتوں کا نام تواضع نہیں بلکہ تواضع تو دل کے اندر ہوتی ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی کبھی کسی کام کو اپنے سے فروتر نہیں سمجھتا۔

حضرت شیخ الہندؒ اور تواضع

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد مغیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوستان کی آزادی کے لئے ایسی تحریک چلائی جس نے پورے ہندوستان.......... افغانستان اور ترکی سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا.......... آپ کی شہرت پورے ہندوستان میں تھی۔ چنانچہ اجمیر میں ایک عالم تھے مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ان کو خیال آیا کہ دیوبند جا کر حضرت شیخ الہند سے ملاقات اور ان کی زیارت کرنی چاہئے.......... چنانچہ ریل گاڑی کے ذریعہ دیوبند پہنچے اور وہاں ایک تانگے والے سے کہا کہ مجھے مولانا شیخ الہند سے ملاقات کے

لئے جانا ہے.......... اب ساری دنیا میں تو وہ شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے.......... مگر دیو بند میں "بڑے مولوی صاحب" کے نام سے مشہور تھے.......... تانگے والے نے پوچھا کہ کیا بڑے مولوی صاحب کے پاس جانا چاہتے ہو انہوں نے کہا ہاں بڑے مولوی صاحب کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ تانگے والے نے حضرت شیخ الہند کے گھر کے دروازے پر اتار دیا۔ گرمی کا زمانہ تھا جب انہوں نے دروازے پر دستک دی تو ایک آدمی بنیان اور لنگی پہنے ہوئے نکلا...... انہوں نے اس سے کہا کہ میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنے کے لئے اجمیر سے آیا ہوں۔ میرا نام معین الدین ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت تشریف لائیں۔ اندر بیٹھیں...... چنانچہ جب بیٹھ گئے تو پھر انہوں نے کہا کہ آپ حضرت مولانا کو اطلاع کر دیں کہ معین الدین اجمیری آپ سے ملنے آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت آپ گرمی میں آئے ہیں تشریف رکھیں اور پھر پنکھا جھلنا شروع کر دیا...... جب کچھ دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری صاحب نے پھر کہا کہ میں نے تم سے کہا کہ جا کر مولانا کو اطلاع کر دو کہ اجمیر سے کوئی ملنے کے لئے آیا ہے...... انہوں نے کہا اچھا...... ابھی اطلاع کرتا ہوں...... پھر اندر تشریف لے گئے اور کھانا لے آئے مولانا نے پھر کہا کہ بھائی میں یہاں کھانا کھانے نہیں آیا...... میں تو مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ مجھے ان سے ملاؤ...... انہوں نے فرمایا۔ حضرت...... آپ کھانا تناول فرمائیں۔ ابھی ان سے ملاقات ہو جاتی ہے چنانچہ کھانا کھلایا پانی پلایا...... یہاں تک کہ مولانا معین الدین صاحب ناراض ہونے لگے کہ میں تم سے بار بار کہہ رہا ہوں مگر تم جا کر ان کو اطلاع نہیں کرتے...... پھر فرمایا کہ حضرت بات یہ ہے کہ یہاں شیخ الہند تو کوئی نہیں رہتا۔ البتہ بندہ محمود اسی عاجز کا ہی نام ہے...... تب جا کر مولانا معین الدین صاحب کو پتا چلا کہ شیخ الہند کہلانے والے محمود الحسن صاحب یہ ہیں.......... جن سے میں اب تک ناراض ہو کر گفتگو کرتا رہا.......... یہ تھا ہمارے بزرگوں کا

البیلا رنگ.......... اللہ تعالیٰ اس کا کچھ رنگ ہمیں بھی عطا فرما دے..........
آمین۔

دو حرف علم

اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دو حرف علم کی تہمت محمد قاسم کے نام پر نہ ہوتی تو دنیا کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا تھا اور کہاں مر گیا اس طرح فنائیت کے ساتھ زندگی گزاری۔

حضرت شیخ الہند کا ایک اور واقعہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رمضان المبارک میں یہ معمول تھا کہ آپ کے یہاں عشاء کے بعد تراویح شروع ہوتی تو فجر تک ساری رات تراویح ہوتی تھی.......... ہر تیسرے یا چوتھے روز قرآن شریف ختم ہوتا تھا.......... ایک حافظ صاحب تراویح پڑھایا کرتے تھے.......... اور حضرت والا پیچھے کھڑے ہو کر سنتے تھے۔ خود حافظ نہیں تھے۔ تراویح سے فارغ ہونے کے بعد حافظ صاحب وہیں حضرت والا کے قریب تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے تھے.......... حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ کوئی آدمی میرے پاؤں دبا رہا ہے۔ میں سمجھا کہ کوئی شاگرد یا کوئی طالب علم ہو گا.......... چنانچہ میں نے دیکھا نہیں کہ کون دبا رہا ہے۔ کافی دیر گزرنے کے بعد میں نے جو مڑ کر دیکھا تو حضرت شیخ الہند محمود الحسن صاحب میرے پاؤں دبا رہے تھے میں ایک دم سے اٹھ گیا اور کہا کہ حضرت.......... یہ آپ نے کیا غضب کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ غضب کیا کرتا۔ تم ساری رات تراویح میں کھڑے رہتے ہو۔ میں نے سوچا کہ دبانے سے تمہارے پیروں کو آرام ملے گا.......... اس لئے دبانے کے لئے آگیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور تواضع

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ جو دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر وقت ایک تہبند پہنے رہتے تھے اور معمولی سا کرتہ ہوتا تھا۔ کوئی شخص دیکھ کر یہ پہچان ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنا بڑا علامہ ہے......... جب مناظرہ کرنے پر آجائیں تو بڑوں بڑوں کے دانت کھٹے کر دیں۔ لیکن سادگی اور تواضع کا یہ حال تھا کہ تہبند پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں۔

چونکہ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا......... تو انگریزوں کی طرف سے آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو گیا۔ چنانچہ ایک آدمی ان کو گرفتار کرنے کے لئے آیا۔ کسی نے بتا دیا کہ وہ چھتے کی مسجد میں رہتے ہیں۔ جب وہ شخص مسجد میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بنیان اور لنگی پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہا ہے اب چونکہ وارنٹ کے اندر یہ لکھا کہ "مولانا محمد قاسم نانوتوی کو گرفتار کیا جائے۔" اس لئے جو شخص گرفتار کرنے آیا وہ یہ سمجھا کہ یہ تو جبے قبے کے اندر ملبوس بڑے علامہ ہوں گے جنہوں نے اتنی بڑی تحریک کی قیادت کی ہے......... اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ صاحب جو مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں۔ یہ ہی مولانا قاسم صاحب ہیں......... بلکہ وہ سمجھا کہ یہ شخص مسجد کا خادم ہے۔ چنانچہ اس شخص نے انہیں سے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم کہاں ہیں؟ حضرت مولانا کو معلوم ہو چکا تھا کہ میرے خلاف وارنٹ نکلا ہوا ہے اس لئے چھپانا بھی ضروری ہے......... اور جھوٹ بھی نہیں بولنا ہے......... اس لئے آپ جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئے پھر جواب دیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے......... چنانچہ وہ شخص یہی سمجھا کہ تھوڑی دیر پہلے تو مسجد میں تھے۔ لیکن اب موجود نہیں ہیں......... چنانچہ وہ شخص تلاش کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور تواضع

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ جو میرے والد ماجد کے استاذ دارالعلوم دیو بند کے مفتی اعظم تھے......... ان کا واقعہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا کہ آپ کے گھر کے آس پاس کچھ بیواؤں کے مکانات تھے آپ کا روز کا معمول تھا کہ آپ جب اپنے گھر سے دارالعلوم دیو بند جانے کے لئے نکلتے تو پہلے ان بیواؤں کے مکانات پر جاتے اور ان سے پوچھتے کہ بی بی......... بازار سے کچھ سودا سلف منگانا ہے تو بتا دو......... میں لادونگا اب وہ بیوہ ان سے کہتی کہ ہاں بھائی......... بازار سے اتنا دھنیہ......... پیاز......... اتنے آلو وغیرہ لادو۔ اس طرح دوسری کے پاس......... پھر تیسری کے پاس جاکر معلوم کرتے......... اور پھر بازار جاکر سودا لاکر ان کو پہنچادیتے......... بعض اوقات یہ ہوتا کہ جب سودا لاکر دیتے تو کوئی بی بی کہتی......... مولوی صاحب! آپ غلط سودا لے آئے......... میں نے تو فلاں چیز کہی تھی......... آپ فلاں چیز لے آئے میں نے اتنی منگائی تھی......... آپ اتنی لے آئے......... آپ فرماتے! بی بی......... کوئی بات نہیں......... میں دوبارہ بازار سے لا دیتا ہوں۔ چنانچہ دوبارہ بازار جاکر سودا لاکر ان کو دیتے۔ اس کے بعد فتاویٰ لکھنے کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاتے......... میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص جو بیواؤں کا سودا سلف لینے کے لئے بازار میں پھر رہا ہے۔ یہ ”مفتی اعظم ہند ہے۔ کوئی شخص دیکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ علم و فضل کا پہاڑ ہے۔ لیکن اس تواضع کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ان کے فتاویٰ پر مشتمل بارہ جلدیں چھپ چکی ہیں اور ابھی تک اس پر کام جاری ہے۔ اور ساری دنیا ان سے فیض اٹھا رہی ہے وہی بات ہے کہ ؎

پھوٹ نکلی تیرے پیراہن سے بو تیری

وہ خوشبو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادی......... آپ کا انتقال بھی اس حالت

میں ہوا کہ آپ کے ہاتھ میں ایک فتوی تھا......... اور فتوی لکھتے لکھتے آپ کی روح قبض ہو گئی۔

ایک ڈاکو پیر بن گیا

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے مریدین سے فرمانے لگے تم کہاں میرے پیچھے لگ گئے۔ میرا حال تو اس پیر جیسا ہے جو حقیقت میں ایک ڈاکو تھا۔ اس ڈاکو نے جب یہ دیکھا کہ لوگ بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ پیروں کے پاس جاتے ہیں۔ ان کے پاس ہدیے تحفے لے جاتے ہیں۔ ان کا ہاتھ چومتے ہیں۔ یہ تو اچھا پیشہ ہے۔ میں خواہ مخواہ راتوں کو جاگ کر ڈاکے ڈالتا ہوں۔ پکڑے جانے اور جیل میں بند ہونے کا خطرہ الگ ہوتا ہے۔ مشقت اور تکلیف علیحدہ ہوتی ہے۔ اس سے اچھا یہ ہے کہ میں پیر بن کر بیٹھ جاؤں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے......... میرے ہاتھ چومیں گے......... میرے پاس ہدیے تحفے لائیں گے۔ چنانچہ یہ سوچ کر اس نے ڈاکہ ڈالنا چھوڑ دیا۔ اور ایک خانقاہ بنا کر بیٹھ گیا۔ لمبی تسبیح لے لی۔ لمبا کرتا پہن لیا۔ اور پیروں جیسا حلیہ بنا لیا۔ اور ذکر اور تسبیح شروع کر دی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ کوئی اللہ والا بیٹھا ہے......... اور بہت بڑا پیر معلوم ہوتا ہے۔ اب لوگ اس کے مرید بننا شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ مریدوں کی بہت بڑی تعداد ہو گئی۔ کوئی ہدیہ لا رہا ہے......... کوئی تحفہ لا رہا ہے......... خوب نذرانے آرہے ہیں۔ کوئی ہاتھ چوم رہا ہے......... کوئی پاؤں چوم رہا ہے۔ ہر مرید کو مخصوص ذکر بتا دیئے کہ تم فلاں ذکر کرو......... تم فلاں ذکر کرو......... اب ذکر کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کے درجات بلند فرماتے ہیں۔ چونکہ ان مریدوں نے اخلاص کے ساتھ ذکر کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بہت بلند فرما دیئے اور کشف و کرامات کا اونچا مقام حاصل ہو گیا۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے آج کونسا مسلمان ناواقف ہوگا........ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تبلیغ اور دین کی دعوت کا جذبہ آگ کی طرح ان کے سینے میں بھر دیا تھا........ جہاں بیٹھتے بس دین کی بات شروع کر دیتے........ اور دین کا پیغام پہنچاتے........ ان کا واقعہ کسی نے سنایا کہ ایک صاحب ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے........ کافی دن تک آتے رہے........ ان صاحب کی ڈاڑھی نہیں تھی........ جب ان کو آتے ہوئے کافی دن ہو گئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ اب یہ مانوس ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ایک دن حضرت نے ان سے کہہ دیا کہ بھائی صاحب........ ہمارا دل چاہتا ہے کہ تم بھی اس داڑھی کی سنت پر عمل کر لو........ وہ صاحب ان کی یہ بات سن کر کچھ شرمندہ سے ہو گئے........ اور دوسرے دن سے آنا چھوڑ دیا........ جب کئی دن گزر گئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے ان کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے آنا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت افسوس ہوا........ اور لوگوں سے فرمایا کہ مجھ سے بڑی سخت غلطی ہو گئی........ کہ میں نے کچے توے پر روٹی ڈال دی........ یعنی ابھی توا گرم نہیں ہوا تھا........ اور اس قابل نہیں ہوا تھا کہ اس پر روٹی ڈالی جائے........ میں نے پہلے ہی روٹی ڈال دی........ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان صاحب نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ اگر وہ آتے رہتے تو کم از کم دین کی باتیں کان میں پڑتی رہتیں........ اور اس کا فائدہ ہوتا........ اب ایک ظاہر بین آدمی تو یہ کہے گا کہ اگر ایک شخص غلط کام کے اندر مبتلا ہے تو اس سے زبان سے کہہ دو........ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر ہاتھ سے برائی کو نہیں روک سکتے تو کم از کم زبان سے کہہ دو........ لیکن آپ نے دیکھا کہ زبان

سے کہنا الٹا مضر اور نقصان دہ ہو گیا۔ کیوں کہ ابھی تک ذہن اس کے لئے سازگار اور تیار نہیں تھا......... یہ باتیں حکمت کی ہوتی ہیں کہ کس وقت کیا بات کہنی ہے......... اور کس انداز سے کہنی ہے......... اور کتنی بات کہنی ہے دین کی بات کوئی پتھر نہیں ہے کہ اس کو اٹھا کر پھینک دیا جائے......... یا ایسا فریضہ نہیں ہے کہ اس کو سر سے ٹال دیا جائے......... بلکہ یہ دیکھو اس بات کے کہنے سے کیا نتیجہ برآمد ہو گا؟ اس کا نتیجہ خراب تو نہیں ہو گا؟ اگر بات کہنے سے خراب اور برا نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت دین کی بات کہنے سے رک جانا چاہئے......... اس وقت بات نہیں کہنی چاہئے۔ یہ بات بھی استطاعت نہ ہونے میں داخل ہے۔

طنز کا ایک عجیب واقعہ

ایک شخص نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب کے جواب میں ایک مقالہ لکھا۔ اور اس مقالے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت والا کے ایک مخلص معتقد تھے......... انہوں نے اس کے جواب میں فارسی میں دو شعر کہے......... وہ اشعار ادبی اعتبار سے آج کل کے طنز کے مذاق کے لحاظ سے بہت اعلیٰ درجے کی اشعار تھے......... وہ اشعار یہ تھے۔

مرا کافر گر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے را جزا باشد دروغے

یعنی مجھے اگر تم نے کافر کہا ہے تو مجھے کوئی غم نہیں ہے......... کیونکہ جھوٹ کا چراغ کبھی جلا نہیں کرتا۔ تم نے مجھے کافر کہا......... میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں......... اس لئے کہ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ ہی

ہو سکتا ہے.......... یعنی تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا.......... اس کے جواب میں میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بول رہا ہوں مطلب یہ ہے کہ در حقیقت تم مسلمان نہیں ہو۔ اگر یہ جواب کسی ادیب اور ذوق رکھنے والے شاعر کو سنایا جائے تو وہ اس پر خوب داد دے گا۔ اور اس کو پسند کرے گا۔ اس لئے کہ چبھتا ہوا جواب ہے۔ اس لئے کہ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں یہ کہہ دیا کہ میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں۔ لیکن دوسرے مصرعے نے اس بات کو بالکل الٹ دیا۔ یعنی جھوٹ کا بدلہ تو جھوٹ ہی ہوتا ہے.......... تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا۔ میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بولتا ہوں.......... بہر حال یہ اشعار لکھ حضرت کے جو معتقد تھے وہ حضرت والا کی خدمت میں لائے..........
حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ اشعار سنے تو فرمایا کہ تم نے اشعار تو بہت غضب کے کہے اور بڑا چبھتا ہوا جواب دے دیا۔ لیکن میاں تم نے لپیٹ کر اس کو کافر کہہ تو دیا۔ اور ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دوسروں کو کافر کہیں.......... چنانچہ وہ اشعار نہیں بھیجے۔

پھر حضرت والا نے خود ان اشعار کی اصلاح فرمائی اور ایک شعر کا اضافہ فرمایا چنانچہ فرمایا کہ۔

مرا کافر گر گفتی غمے نیست
چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دھم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مؤمنی فبہا والا
دروغے را جزا باشد دروغے

یعنی اگر تم نے مجھے کافر کہا ہے تو مجھے اس کا کوئی غم نہیں ہے اس لئے کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا

ہوں اور کڑوی دوا کے مقابلے میں تمہیں شکر کھلاتا ہوں اگر تم مومن ہو تو بہت اچھا ہے.......... اور اگر نہیں ہو تو پھر جھوٹ کی جزا جھوٹ ہی ہوتی ہے۔ اب دیکھئے وہ مخالف جو آپ پر کفر کا فتویٰ لگا رہا ہے۔ جہنمی ہونے کا فتویٰ لگا رہا ہے.......... اس کے خلاف بھی طنز کا ایسا فقرہ کہنا بھی پسند نہیں فرمایا جو حدود سے نکلا ہوا تھا.......... اس لئے کہ یہ طنز تو یہاں دنیا میں رہ جائے گا.......... لیکن جو لفظ زبان سے نکل رہا ہے.......... وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو رہا ہے.......... قیامت کے روز اس کے بارے میں جواب دینا ہو گا کہ فلاں کے حق میں یہ لفظ کس طرح استعمال کیا تھا؟ لہذا طنز کا یہ طریقہ جو حدود سے نکل جائے.......... کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں۔ لہذا جب کسی سے کوئی بات کہنی ہو تو صاف اور سیدھی بات کہہ دینی چاہئے۔ لپیٹ کر بات نہیں کہنی چاہئے۔

تقسیم رزق کا حیرت ناک واقعہ

میرے بڑے بھائی جناب زکی کیفی صاحب.......... اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تجارت میں بعض اوقات اللہ تعالیٰ ایسے ایسے منظر دکھاتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رزاقیت کے آگے سجدہ ریز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لاہور میں ان کی دینی کتابوں کی دکان "ادارہ اسلامیات" کے نام سے ہے۔ وہاں بیٹھا کرتے تھے۔ فرمایا کہ ایک دن جب میں نے صبح کو گھر سے دکان جانے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ شدید بارش شروع ہو گئی۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ایسی شدید بارش ہو رہی ہے.......... اس وقت سارا نظام زندگی تلپٹ ہے.......... ایسے میں دکان جا کر کیا کروں گا؟ کتاب خریدنے کے لئے کون دکان پر آئے گا۔ اس لئے کہ ایسے وقت میں اول تو لوگ گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ اگر نکلتے بھی ہیں تو شدید ضرورت کے لئے نکلتے ہیں.......... کتاب اور خاص طور پر دینی کتاب تو ایسی چیز ہے کہ جس سے نہ تو بھوک مٹ سکتی ہے.......... نہ

کوئی دوسری ضرورت پوری ہو سکتی ہے.......... اور جب انسان کی دنیاوی تمام ضروریات پوری ہو جائیں تو اس کے بعد کتاب کا خیال آتا ہے.......... لہذا ایسے میں کون گاہک کتاب خریدنے آئے گا؟ اور میں دکان پر جا کر کیا کروں گا؟ لیکن ساتھ ہی دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے تو اپنے روزگار کے لئے ایک طریقہ اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس طریقے کو میرے لئے رزق کے حصول کا ایک ذریعہ بنایا ہے.......... اس لئے میرا کام یہ ہے کہ میں جاکر دکان کھول کر بیٹھ جاؤں.......... چاہے کوئی گاہک آئے یا نہ آئے۔ بس میں نے چھتری اٹھائی اور دکان کی طرف روانہ ہو گیا.......... جاکر دکان کھولی اور قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی.......... اس خیال سے کہ گاہک تو کوئی آئے گا نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ لوگ اپنے اوپر برساتی ڈال کر آرہے ہیں اور کتابیں خرید رہے ہیں اور ایسی کتابیں خرید رہے ہیں کہ جن کی بظاہر وقتی ضرورت بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ چنانچہ جتنی بکری اور دنوں میں ہوتی تھی تقریباً اتنی ہی بکری اس بارش میں بھی ہوئی۔ میں سوچنے لگا کہ یا اللہ اگر کوئی انسان عقل سے سوچے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس آندھی اور طوفان والی تیز بارش میں کون دینی کتاب خریدنے آئے گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ جا کر کتاب خریدیں۔ اور میرے دل میں یہ ڈالا کہ تم جا کر دکان کھولو۔ مجھے پیسوں کی ضرورت تھی اور ان کو کتاب کی ضرورت تھی۔ اور دونوں کو دکان پر جمع کر دیا۔ ان کو کتاب مل گئی مجھے پیسے مل گئے۔ یہ نظام صرف اللہ تعالیٰ بنا سکتے ہیں.......... کوئی شخص یہ چاہے کہ میں منصوبے کے ذریعہ اور کانفرنس کر کے یہ نظام بنالوں؟ باہمی منصوبہ بندی کر کے بنالوں تو کبھی ساری عمر نہیں بنا سکتا۔

(متفرقات جلد ۷)

«تمت بالخیر»